1/9/02/B-339

247/ROP

افسانے و مضامین صادق

1284
4-02

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق

B.Sc.(osm.) B.Ed.(Osm.) L.L.B.(Osm.), BCJ.(Osm.),
M.A.(Phil.)(Osm.) ,M.A.(U.Litt.),(Osm.) ,M.A.(A.Hist.),
M.A.(Arch.)(Osm.), L.L.M.(Osm.), M.Phil.(Islamic Studies),
PGDC Mushroom, P.G.D. in Environmental Studies,
(A.M.B.U.)(Osm.), R.M.P. BIMUS (Govt.Regd.),
Scholar Dip.in Martial Arts.

Physician / Philosopher / Legal Advisor / Educationalist/
Scientist / Poet / Littrarian / Historian / Archiologist /
Culturist / Environmentalist / Ecologist / Journalist /
Mushroomist / Marshal Artist.

زیر اہتمام:

ادارہ ادب صادق ، سنتوش نگر کالونی ،

12-2-823/A/12/1 ، مہدی پٹنم، حیدرآباد - ۵۰۰۰۲۸ (اے پی)

جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ

تاریخ و سن اشاعت	:	1999ء
بار اول	:	350
کتابت	:	مرزا غیاث الدین بیگ ، انعم کمپیوٹر گرافکس، پہلی منزل، جمال مارکٹ پتھر بازار ، حیدرآباد
طباعت	:	اعجاز پرنٹنگ پریس، چھتہ بازار، حیدرآباد
ڈیزائن سرورق	:	ریاض خوشنویس
طباعت سرورق	:	اعجاز پریس، چھتہ بازار
زیر اہتمام	:	ادارہ ادب صادق ، حیدرآباد
قیمت	:	150/-
جزوی عنایت	:	اردو اکیڈمی، آندھرا پردیش

کتابیں ملنے کے پتے :

- حسامی بک ڈپو ، مچھلی کمان، حیدرآباد ـ ۲
- اعجاز پرنٹنگ پریس، چھتہ بازار، حیدرآباد ـ ۲
- بمکان مصنف، مکان نمبر 12_2_823/A/12/1، سنتوش نگر کالونی، مہدی پٹنم، حیدرآباد ـ 500028 (اے پی) فون : 3513184

تمام کہانیاں افسانے و مضامین ـ Fiction ـ پر مبنی اور فرضی ہیں ـ کسی قسم کی کوئی مطابقت مثلاً ناموں ـ مقامات اور واقعات میں محض اتفاق ہوگی ـ جس کی ذمہ داری مصنف پبلیشر یا پرنٹر پر عائد نہیں ہوگی ـ

صفحہ نمبر (۱)

ترتیب

افسانے

مضامین

تاثرات

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صر

ریسرچ ا

"افسانے و مضامین صادق" میری پہلی کتاب ہے جو اب آپ کے یا
میں ہے۔ اس میں سے بیشتر مضامین .T.V اور AIR پر نشر ہو چکے ہیں
نے اپنے دلی جذبات و احساسات کو صفحہ قرطاس پر بلا کسی مبالغہ آرائی کے
دیا ہے۔ جو کچھ میں نے اپنے اطراف و اکناف میں دیکھا اس کی عکاسی کی ر
اس میں میرے ذاتی جذبات اور تجربے اور مشاہدے بہت ہی کم جگہ پاتے
میں نے حقیقت کی عکاسی کو نمایاں جگہ دی ہے۔ میں اپنی کم مائیگی کا اعتر
کرتے ہوئے یہ عرض کروں گا کہ مجھے حالانکہ ہندوستان کا سب سے ز
ڈگریاں یافتہ شخص قرار دیا گیا ہے (رہنمائے دکن) سیاست نے مجھے حیدرآ
سب سے زیادہ ڈگریاں یافتہ شخص قرار دیا ہے۔ لیکن میں ابھی بھی اپنے آپ
ایک ادنیٰ طالب علم ہی سمجھتا ہوں۔

میں اس کتاب کی تعریف اس لئے نہیں کروں گا کیوں کہ یہ کام آپ کا
اس کی خوبیوں اور خامیوں پر آپ کی رائے میرے لئے اہمیت رکھتی ہے۔

میں خاص طور سے برصغیر کی شہرت یافتہ افسانہ نگار محترمہ رفیعہ منظور الا
صاحبہ کا جن کی کتاب "عالم پناہ" ساری دنیا میں مقبولیت حاصل کر چکی ہے
جس پر .T.V پر ایک سیریل "شان" دوردرشن پر دکھایا گیا۔ ممنون و مشکور ہ
کہ انھوں نے میرے افسانوں پر اپنی گراں قدر رائے دے کر میری حوصلہ افز
کی ہے میں سابق ڈائرکٹر جنرل دوردرشن جناب منظور الامین صاحب کا بھی مشک

ہوں جنہوں نے میرے مضامین پر اپنی رائے سے نوازا۔

میں اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش حیدرآباد کا ممنون ہوں کہ جس کی جزوی مالی تعاون سے اسکتاب کی اشاعت میں مدد کی۔ آخر میں میں ان تمام خواتین و حضرات کا ممنون ہوں جنہوں نے مجھکو چاہا اور جنکو میں نے چاہا۔ میرے دوست احباب رشتہ دار میرے بھائی بہن اور میری صاحبزادی اور صاحبزادوں کا بھی میں مشکور ہوں کہ جن کے تعاون سے یہ کتاب تکمیل ہوئی۔

یہ دنیا کی شاید پہلی کتاب ہوگی جس میں مصنف کے بارے میں ۹۰ سے زائد حضرات کی رائے شائع ہو رہی ہے۔

فقط

آپ کا اپنا

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق

Dr. Khaja Fareeduddin Sadiq

Research Scholar

Highest Number of Degree Holder in A.P.

B.Sc.(Osm.)B.Ed.(Osm.)L.L.B.(Osm.)B.C.J.

(Osm.),M.A.(Phil)(Osm.),M.A.(U.Litt.)(Osm.),

M.A. (A. Hist.), M.A. (Arch.) (Osm.), L.L.M (Osm.),

M.Phil. (Islamic Studies), PGDC

Mushroom, P.G.D. in Environment Studies

(A.M.B.U.) (Osm.), R.M.P. BIMUS (Govt. Regd.),

Scholar Dip. in Martial Arts

Physician / Philosopher / Legal Advisor /

Educationalist / Scientist / Poet / Littrarian /

Historian/ Archiologist/ Culturist/ Environmentalist

/ Ecologist/ Journalist/ Mushroomist/ Marshal Artist

انتساب

- شفیق والد محترم مرحوم حضرت خواجہ معین الدین چشتی صاحب
- والدہ محترمہ مرحومہ امتہ البدیع صاحبہ کے نام جن کی دعاوں کے بدولت آج میں کسی لائق بنا۔
- میری شریک حیات و بچوں کے نام
- فرزند اکبر۔ خواجہ فخرالدین سھیل

B.E. (Ece.) M.Tech. (Communication) Schollar,
Osmania University Cricket Team Captain

- دختر امتہ السکینہ فرحین

C.C.I.M. Top Ten (USA & Canada) ایوارڈ یافتہ

- فرزند اصغر خواجہ فصیح الدین شہباز خواجہ

کم سن شاعر جس نے 12 سال کی عمر میں باظابطہ مشاعر پڑھ کر ریکارڈ قائم کیا اور غزل لکھ کر بھی۔

- اور میرے بھائی صاحب ذکی اعارف آصف کے نام
- ہر اس نازنین۔ مہہ جبین۔ افشاں جبین کے نام جو میری مضمون نگاری افسانہ نگاری۔ اور غزل گوئی کا سبب بنی۔

ان تمام کے نام جنہوں نے مجھے چاہا اور جنہیں میں نے چاہا

دوست احباب عزیز و اقارب کے نام

الحاج ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق

(حیدرآباد، آندھرا پردیش میں سب سے زیادہ ڈگریاں یافتہ)

ایک تعارف

از: خواجہ فخرالدین سہیل چشتی

B.E. (Ece) (Osm.)
(Communication) Scholar
M.Tech (VTU)
Ex_Captain Osmania University Crichet Team
شریک معتمد ادارہ ادب صادق

Dr. KHAJA FAREEDUDDIN SADIQ

Research Scholar

Highest Number of Degree Holder in A.P.

B.Sc.(Osm.), B.Ed. (Osm.), L.L.B.(Osm.), BCJ (Osm.), M.A.(Phil), (Osm.), M.A.(U.Litt.) (Osm.), M.A. (A.Hist.), M.A. (Arch.) (Osm.), L.L.M.(Osm.), M.Phil. (Islamic Studies), PGDC Mushroom, P.G.D. in Environment Studies (A.M.B.U.)(Osm.), R.M.P. BIMUS (Govt. Regd.), Scholar Dip. in Martial Arts

---

Physician / Philosopher / Legal Advisor / Educationalist / Scientist / Poet / Littrarian / Historian/Archiologist/ Culturist / Environmentalist/Ecologist/ Journalist / Mushroomist / Marshal Artist

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق جو "ادارہ اردو ادب صادق" کے بانی و صدر اور آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس کے رکن اور آل انڈیا سرور ڈنڈا میموریل اکیڈیمی کے رکن مرکز ادب و بزم سعید کے رکن رہے ہیں۔ ۱۹ جنوری ۱۹۴۸ء کو حیدرآباد کے ایک معزز گھر اور علمی و قاضی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام حضرت خواجہ معین الدین چشتی (مرحوم) تھا۔

جو محکمہ تعلیمات میں سر رشتہ دار تعلیمات کے عہدے پر فائز تھے ۔آپ کے دادا پڑ دادا سب قاضی تھے ۔آپ کے جدِ امجد سارے کے سارے تعلیم یافتہ اور حکومت کے اہم عہدوں پر فائز تھے ۔آپ کے حسب و نسب کا شجرہ آدم علیہ سلام سے لیکر ابو بکر صدیق تک اور ان سے آپ تک ریکارڈ کیا گیا ۔آپ کے والد شیخ اور والدہ محترمہ امتہ البدیع سیدہ گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں ۔اپ کے والدہ، دادی اور بہنیں بھی پیشہ تدریسی سے وابستہ رہیں ۔

آپ کو حیدرآباد کے سب سے زیادہ ڈگریاں یافتہ شخص کا اعزاز ملا ہے ۔آپ کے حسب ذیل ڈگریوں کے حامل ہیں ۔

Alhaj Dr. KHAJA FAREEDUDDIN SADIQ

Research Scholar

Highest Number of Degrees Holder in A.P.

B.Sc.(Osm.), B.Ed. (Osm.), L.L.B.(Osm.), B.C.J(Osm.)
M.A.(Phil), (Osm.), M.A.(U.Litt.) (Osm.), M.A. (A.Hist.),
M.A. (Arch.) (Osm.), L.L.M.(Osm.), M.Phil. (Islamic Studies),
PGDC Mushroom, P.G.D. in EnvironmentStudies (A.M.B.U.)(Osm.),
R.M.P. BIMUS (Govt. Regd.), Scholar Dip. in Martial Arts

اور آپ وقت واحد میں حسب ذیل خوبیوں کے مالک ہیں

Physician / Philosopher / Legal Advisor / Educationalist /
Scientist/ Poet / Littrarian/ Historian/Archiologist/
Culturist/ Environmentalist/Ecologist/
Marshal Arts / Journalist/ Mushroomist

آپ کے اہم کارناموں میں ادارہ" اردو ادب صادق " مہدی پٹنم کو قائم کرنا اور اسکے ذریعہ اردوادب کی خدمت کرنا اس کے علاوہ مہدی پٹنم میں " سینٹ صادق ہائی اسکول " کا قائم کرنا اور نونہالوں میں تعلیم کو زیور سے آراستہ کرنا ہے ۔آپ تقریبا ساری دنیا کا سفر ایک سے زائد بار کرچکے ہیں ۔آپ 4 حج بھی کرچکے ہیں جس میں سے ایک حج اکبر اور ایک حج پیدل کرچکے ہیں روضہ اقدس کی کئی بار زیارت اور بے حساب عمرے بھی کرچکے ہیں ۔آپ کو سعودی اربعین ایر لائینز نے شاندار خدمت پر ایک تولہ کا حقیقی گولڈ میڈل توصیف نامہ کے ساتھ عطا کی ہے ۔

آپ کی ابتدائی تعلیم "آل سینٹ ہائی اسکول " انگلش میڈیم عابڈز حیدرآباد میں ہوئی اور اس کے بعد آپ گوشہ محل اسکول سے تعلیم حاصل کی۔ ممتاز کالج حیدرآباد سے آپ نے پی۔یو۔سی کیا۔ اس کے بعد سے آپ مختلف روزگار اختیار کرتے رہے مگر تعلیم کو جاری رکھنے کا شوق نہ رک سکا۔ آپ نے اگر وال ایوننگ سائنس کالج سے بی۔ ایس۔سی کی ڈگری حاصل کی۔ اسکے بعد یہ تعلیمی سلسلہ چلتا رہا۔ جیسا کہ آپ نے آٹھ پوسٹ گریجویشن ڈگری اور پوسٹ گریجویشن ڈپلوماس کئے ہیں۔ اور اس طرح ایک تعلیمی ریکارڈ قائم کرکے سب سے زیادہ ڈگریاں رکھنے کا اعزاز حاصل کیا۔ اس سے ہٹ کر آپ کی ہمہ پہلو شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آپ حیدرآباد کے ممتاز شاعر وادیب بھی ہیں۔ آپ نے چار سال کی مختصر مدت میں 404 مشاعرے پڑھنے کا منفرد ریکارڈ قائم کر چکے ہیں۔ آپ کئی کل ہند مشاعرے بھی پڑھ چکے ہیں۔ آپ کا کلام آل انڈیا ریڈیو اور دور درشن سے بھی نشر ہوچکا ہے۔ اور روزنامے عوام، رہنما، منصف و سیاست، میں بھی شائع ہوچکا ہے۔ رہنما اور منصف و سیاست (اخبارات) میں بھی آپ نے کئی غیر منقوطہ غزلیں بھی لکھیں ہیں اور مشاعروں میں پڑھکر مشاعرے بھی لوٹے ہیں۔

آپ نے ادارہ ادب صادق کے تحت جس کے آپ بانی و صدر ہیں کئی ایک ریکارڈ قائم کئے ہیں جیسے کہ چار سال کے قلیل مدت میں 64 مشاعروں کا 64 ادبی اجلاسوں کا 64 مذاکروں کا منعقد کرنا (14) جلسہ اعتراف خدمات اور (40) تہنیتی جلسوں کا انعقاد عمل میں لایا۔ جو کہ اپنے آپ میں ایک عالمی ریکارڈ ہے۔

دنیا میں شاید ہی کسی ادارہ نے " ادارہ ادب صادق " کی طرح چار سال کی مختصر مدت میں اتنے عظیم کارنامے انجام دیئے ہوں۔ صرف یہی نہیں بلکہ ادارہ ادب صادق کے زیر اہتمام (8) آٹھ مختلف مراکز پر شہر حیدرآباد اور اضلاع میں اردو کی اور اخلاقیات اور دینیات کی مفت تعلیم دیتا ہے۔ جس کا سارا خرچ آپ اپنے جیب خاص سے کرتے ہیں۔

آج کے اس پر آشوب ماحول میں اردو ادب کی بے لوث اور بے غرض خدمت کرنا کوئی معمولی بات نہیں آپ کا ایک مجموعہ کلام عنقریب " کلیات صادق " کے نام سے منظر عام پر آنے والا ہے۔ آپ کے مقالوں کا مجموعہ، بھی عنقریب افسانے و مضامین صادق کے نام سے منظر عام پر آرہا ہے۔ آپ کے تعلق سے آپ کے خدمات کو اور قابلیت کو

سراہتے ہوئے حسب ذیل ممتاز شعراء۔ ادیب صحافیوں نے اپنی مجموعی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ

"ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ملنسار مخلص اور اردو ادب کے سچے خدمت گزار ہیں۔ جن کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ان حضرات کے نام حسب ذیل ہیں۔"

۱۔ جناب خلیل الرحمن (ایم۔پی) ۲۔ جناب اسلم فرشوری (آل انڈیا ریڈیو)
۳۔ جناب راحت عزمی (صدر بزم عاصم) ۴۔ پروفیسر غیاث متین
۵۔ پروفیسر عبدالرحیم (جرنلزم) ۶۔ جناب تصیر بیابانی
۷۔ جناب اکمل حیدرآبادی مرحوم ۸۔ جناب سلیم عابدی
۹۔ جناب کلیم قریشی ۱۰۔ جناب پیر جری القادری
۱۱۔ جناب رؤف خیر ۱۲۔ ڈاکٹر عقیل ہاشمی
۱۳۔ محترمہ نایاب سلطانہ (مرحوم) ۱۴۔ جناب رحمن جامی
۱۵۔ جناب اظہر قادری ۱۶۔ جناب محمد اسحاق صاحب (پرنسپل۔بی ایڈ کالج)
۱۷۔ جناب رئیس اختر (ممتاز شاعر) ۱۸۔ جناب عبدالرزاق شوق (ورنگل)
۱۹۔ جناب صلاح الدین نیر (ممتاز شاعر) ۲۰۔ جناب رحمت اللہ خان رحمت کوثر
۲۱۔ جناب فکری بدیونی (مرحوم) ۲۲۔ ڈاکٹر منیر الزماں منیر
۲۳۔ جناب ثاقب بنارسی ۲۴۔ جناب سید نظر علی عدیل صاحب (مرحوم)
۲۵۔ الحاج معین الدین بزمی صاحب ۲۶۔ ڈاکٹر سید حمید الدین شرفی
۲۷۔ جناب خواجہ شوق صاحب ۲۸۔ جناب نیپال سنگھ ورما
۲۹۔ جناب یوسف کمال ۳۰۔ جناب وحید مرزا ایڈوکیٹ (سابق چیرمین اردو اکیڈیمی)
۳۱۔ جناب حسن فرخ ۳۲۔ جناب مضطر مجاز
۳۳۔ ڈاکٹر انوار الدین (صدر شعبہ اردو) ۳۴۔ ڈاکٹر رحمت یوسف زئی (ریڈر)
۳۵۔ جناب مصطفیٰ شہاب (لندن) ۳۶۔ جناب حلیم بابر (صدر بزم کہکشاں) محبوب نگر
۳۷۔ جناب شیخ عبدالکریم فیروز ۳۸۔ محترمہ رفیعہ منظور الامین
۳۹۔ جناب اقبال طاہر ۴۰۔ جناب سوز عابدی

۴۱ ۔ ڈاکٹر بھلہ ۴۲ ۔ ڈاکٹر انوار الدین کمال
۴۳ ۔ جناب قمر الدین صابری (مدیر شاداب) ۴۴ ۔ جناب نجم الغازی (صحافی)
۴۵ ۔ ڈاکر اکبر یوسفی ۴۶ ۔ حضرت نصرت عالم
۴۷ ۔ جناب قاضی محمد رشید الدین (ایڈیٹر شاداب) ۴۸ ۔ حضرت بروی قادری
۴۹ ۔ حضرت داور نصیب صاحب ۵۰ ۔ جناب محمد عبد الرب
۵۱ ۔ جناب کمال صدیقی ۵۲ ۔ ڈاکٹر سید حسن
۵۳ ۔ جناب صادق نوید ۵۴ ۔ جناب دلشاد رضوی
۵۵ ۔ ڈاکٹر کریم رضناء تعمیر ملت ۵۶ ۔ ڈاکٹر ناصر الدین خالد صدیقی
۵۷ ۔ ڈاکٹر صادق تقوی ۵۸ ۔ حضرت سعید شہری
۵۹ ۔ جناب عزیز بھارتی مرحوم ۶۰ ۔ جناب محمد منظور احمد منظور (جائنٹ ایڈیٹر قومی زبان)
۶۱ ۔ جناب گوہر کریم نگری ۶۲ ۔ جناب افق برادی
۶۳ ۔ جناب الطاف صمدانی ۶۴ ۔ جناب فاروق شکیل
۶۵ ۔ جناب م ۔ ق ۔ سلیم ۶۶ ۔ جناب شاہد علی عدیل
۶۷ ۔ جناب فصیح الدین فصیح (پاکستان)
۶۸ ۔ ڈاکٹر محمود صدیقی قادری (نائب صدر اردو نیوز پریس فیڈریشن)
۶۹ ۔ جناب محمد عنایت علی (راہی) (صدر بزم عالم ملک پیٹھ)
۷۰ ۔ جناب محسن جلگانوی ۷۱ ۔ جناب ناشاد اورنگ آبادی
۷۲ ۔ جناب طالب خوندمیری ۷۳ ۔ جناب عابد صدیقی (نیوز ایڈیٹر دوردرشن)
۷۴ ۔ جناب سعید عابد (ظہیر آباد ۷۵ ۔ محترمہ لئیق تبسم
۷۶ ۔ جناب رؤف خیر ۷۷ ۔ جناب حمید حاصل ۔
۷۸ ۔ جناب اقبال ھاشمی ۷۹ ۔ جناب محسن عرضی تاڈوری
۸۰ ۔ ڈاکٹر نسیم الدین فریس ۸۱ ۔ جناب محبوب علی خان افگر
۸۲ ۔ جناب حامد رفیعہ ۸۳ ۔ جناب منیر جمال صحافی
۸۴ ۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری ۸۵ ۔ جناب احمد شاہ ارشاد
۸۶ ۔ جناب اظہر افسر افسانہ نگار ۸۷ ۔ ڈاکٹر دلشاد رضوی

۸۸۔ ڈاکٹر صادق نوید ۸۹۔ ڈاکٹر محمد عارف الزماں خان (صحافی)
۹۰۔ ڈاکٹر ایم اے رشید راشد، ایڈوکیٹ ۹۱۔ ڈاکٹر محمد علی اشر ریڈر ویمن کالج
۹۲۔ ڈاکٹر مرزا اکبر بیگ، صدر شعبہ اردو سکندر آباد

آپ نے ادبی دنیا میں کئی کارنامے انجام دیئے ہیں کئی ایک ورلڈ ریکارڈس قائم کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔ (1)۔ 700 غزلہ طویل غزل جو (3333) تین ہزار تین سو تینتیس اشعار پر بنی ہے لکھی ہے۔ (2)۔ 222 دو سو بائیس سے زائد ملکوں پر نعت شریف لکھی ہے۔ (3) غیر منقوط غزلیں (بغیر نقطہ والی غزلیں لکھی ہیں۔ (4) صرف قافیہ اور حرف پر بنی غزلیں لکھی ہیں۔ (5)۔ 4 سال کی قلیل مدت میں 400 سے زائد مشاعرے پڑھے ہیں۔

اتنی شہرت عزت اور تعلیم سے مالامال ہونے کے باوجود بھی آپ میں رتی برابر بھی غرور کا مادہ نہیں ہے۔ آپ ہر ایک سے یہی کہتے ہیں چاہے اس کی تعلیمی قابلیت کچھ بھی ہو کہ "آپ سے کچھ سیکھنے کا مجھے موقع ملا ہے"۔ اس لئے آپ ہر چھوٹے بڑے میں ہر دلعزیز ہوگئے ہیں۔ آپ کے چند اشعار ان کی شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں کہتے ہیں کہ

۱۔ وہ علم کا اگر ہے سمندر تو کیا ہوا
صادق نظر میں خود کی ہے قطرہ بنا ہوا

۲۔ صادق ڈھکی چھپی ہے کہاں تیری شخصیت
قائل تیرے تو ویسے بھی اہل زمانہ تھے

۳۔ ہنر تو کئی ایک ہیں مجھ میں صادق
دکھاؤں میں اپنے ہنر کس کے آگے

۴۔ محفل میں اس کے چرچے ہیں دیکھو تو آجکل
صادق ادب کا آج ہے نوشہ بنا ہوا

آپ اسلامک اسٹڈیز سے M.Phil بھی کر رہے ہیں۔ اپ "قرآن شریف کی رہنمائی انسانیت کے لئے" کے عنوان پر ریسرچ کر رہے ہیں۔
جناب ڈاکٹر خواجہ فرید الدین احقر کے والد محترم و بزرگوار ہیں۔

پیش لفظ

منظور الامین

سابق ڈائرکٹر جنرل دور درشن انڈیا

ادارہ ادب صادق کی ادبی خدمات سے اردو ادب میں دلچسپی رکھنے والے اب اچھی طرح واقف ہو گئے ہیں اسکے بانی ہیں ڈاکٹر خواجہ فرید الدین جو اپنے آپ میں خود ایک ادرہ ہیں وہ اپنی ذات سے ایک انجمن ہیں!

خواجہ فرید الدین ایک رنگارنگ شخصیت کا دوسرا نام ہے۔ انگریزی میں کہیں تو کہنیں گے کہ He is a many splendored Personality

ان کے کمالات کے ثبوت میں ان کے اپنے بیانوں اور تحریروں کے مطابق آندھرا پردیش میں جتنی ڈگریاں کسی ایک شخص کے پاس ہو سکتی ہیں وہ خواجہ فرید نے متعلقہ امتحانات کامیاب کر کے حاصل کی ہیں، یہ ڈگریاں بی ایس سی، بی ایڈ، ایل ایل ایم، ایم اے (جو وہ کئی مضامین میں کر چکے ہیں) وغیرہ اپنے ۔Bio Data میں خواجہ صاحب نے بتایا کہ وہ طبیب ہیں، فلسفی ہیں، قانونی صلاح کار ہیں، سائنس دان ہیں، تاریخ دان ہیں، آرکیالوجسٹ ہیں، معلم ہیں، شاعر ہیں اور انشائیہ نگار ہیں۔ ساتھ ہی وہ ماحولیات کے ماہر بھی ہیں اور مارشل آرٹ کے ایکسپرٹ!

دوسرے لفظوں میں بندوق سے اگر وہ اپنے مد مقابل کو زیر نہ کر سکیں تو بندوق کے کندے سے اسکا سر توڑ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ کسی مافیا کے ڈان ہیں یا تشدد میں ان کا ایمان ہے، بندوق والی بات تو محض میں نے مارشل آرٹ کے سیاق و سباق میں کہی، بات دراصل یہ ہے کہ وہ ایک امن پسند ہستی ہیں، اور دلوں کو توڑنے کے مقابلے میں دلوں کو جوڑنے کا کام وہ بہتر طریقے سے کرتے آئے ہیں۔

وہ اپنے ہی ہم نام خواجہ فرید الدین عرف بابا فرید کے مقولے پر کاربند رہنے والوں میں سے ہیں جنھوں نے ایک بار کہا تھا۔

"مجھے قینچی مت دیجئے سوئی دیجئے میں سینا چاہتا ہوں، کاٹنا نہیں"

یہ تو ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق کے ذاتی کردار کی بات ہوئی، ان کی اپنی محنت کے ذریعہ تعلیم کے میدان میں ان کی اعلیٰ کارکردگی اور ان کے attainments کی بات ہوئی۔

اب مجھے بات کرنی ہے ان کی تحریروں کی ان کے انشائیوں کو جو زیر نظر مجموعے میں شامل ہیں۔

انگریزی زبان میں برسوں سے انشائیے یا Essays لکھے جارہے ہیں۔ یہ ایک ادبی صنف ہے جس میں کسی ایک موضوع کو لے کر انشائیہ نگار اس موضوع کے مختلف aspects پر غور و خوص کر کے اپنا انشائیہ تحریر کرتا ہے اس میں مزاح کا عنصر بھی ہوتا ہے اور Satire کا بھی۔ اس طرز تحریر کو ایک صنف کی طرح تسلیم کیا گیا ہے۔ آج سے کوئی چار سو سال پہلے اور سب سے پہلے Montaigne کے انشائیوں نے 1580ء میں شہرت حاصل کی۔ Bacon کے انشائیہ بھی بڑی شہرت کے حامل ہیں، آنے والے زبانوں میں Steele اور Addison کے نام Tatter and Spectator سے ایسے جڑ گئے کہ ان کو دائمی شہرت ملی، پھر جانسن، گولڈ سمتھ، چارلس لیمب، ہیزلٹ، میکالے کے نام انشائیوں کی وجہ سے مقبول خاص و عام ہوئے۔

ہماری زبان میں انشائیے عرصے سے لکھ جارہے ہیں۔ یہ ایک طرح انگریزی کے Essays کا پرتو رہے ہیں۔ اردو انشائیوں کے لکھنے والوں میں معتبر نام ہیں سر سید احمد خان، مولانا حالی، مولوی ذکاء اللہ اور خواجہ حسن نظامی وغیرہ کے۔

خواجہ فرید الدین صادق کے بعض انشائیے پڑھنے کا مجھے موقعہ ملا۔ ان کی تحریر میں مصاحت ہے اور سادگی بھی وہ تکنیکی موضوعات جیسے ماحولیات پر جب قلم اٹھاتے ہیں تو موضوع پر پوری طرح ریسرچ کے بعد اپنی رائے دیتے ہیں۔ اگر وہ عوامی بھلائی کے موضوع پر لکھ رہے ہیں تو دستور ہند مناسب اور مخصوص دفعات نقل کر کے، جو اس موضوع پر صادق آتے ہوں، اپنے مضمون کو Comprehensive بنا دیتے ہیں انھوں نے سیکس ایجوکیشن (Sex Education) جیسے موضوع پر بھی لکھا ہے اور موضوع کی نزاکت کے پیش نظر اپنی بات بڑے مناسب الفاظ میں تحریر کی ہے، اس طرح کے موضوعات پر لکھتے ہوئے وہ بڑے کام کے مشورے بھی دیتے ہیں مثلاً اسی موضوع کی اہمیت کو سامنے رکھ کر انھوں نے مشورہ دیا کہ حکومت ممتاز ماہرین تعلیم۔ ڈاکٹروں سیاست دانوں اور دانش وروں کا ایک بورڈ بنائے جو سیکس ایجوکیشن کے لئے ایک مناسب نصاب مرتب کرے۔

ماحولیات اور آبی آلودگی پر ان کے انشائیے بڑی تحقیق کے بعد لکھے گئے ہیں۔ اس طرح کے موضوعات کی افادیت آج کے دور میں بہت بڑھ گئی ہے کیوں کہ آج شہر ہو یا گاؤں ہر جگہ زبردست آلودگی ہوگئی ہے جو آج کے انسان کے لئے لمحہ فکر ہے۔ حال میں جب

انڈونیشیاء وغیرہ میں جنگلوں میں آگ لگی تو آلودگی اور کہرا اس قدر بڑھ گیا تھا کہ شہروں اور گاؤں کی فضا مسموم ہوگئی تھی لوگ اپنی ناک پر ماسک لگاکر باہر نکلنے لگے تھے۔

ڈاکٹر حواجہ فرید الدین نے علمائے دین و و صوفیائے کرام کی ادبی خدمات شاہیر گولکنڈہ سے لیکر آرکیالوجی جیسے موضوعات پر لکھا ہے۔ اس طرح آپ دیکھیں گے کہ ان کی تحریروں کا کینویس بہت وسیع ہے غالبا وہ کیف صاحب کے اس شعر پر عمل کرتے ہیں۔

کیف پیدا کر سمندر کی طرح
وسعتیں، خاموشیاں، گہرائیاں

دستخط

جناب منظور الامین

بنجارہ ہلز ۱۱ سپٹمبر ۹۸ء

سابق ڈائرکٹر جنرل دوردرشن انڈیا

ایک ادبی سفر

رفیعہ منظور الامین
برصغیر کی ممتاز افسانہ نگار

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق کی کہانیاں عصری ادب کی تعریف میں آتی ہیں۔ کیوں کہ ان کہانیوں میں آج کے سماج کا دل دھڑکتا ہے۔ ان میں آج کی روز مرہ زندگی ہے۔ ویسے ان کہانیوں میں روزہ مرہ بھی آج کا ہے۔ ان میں بالخصوص غریب اور متوسط طبقے کے لوگوں کے مسائل ہیں۔ ان کی امنگیں اور حوصلے ہیں، ان کی خوشیاں اور غم ہیں، اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی کہانیوں میں آج کی زندگی کی عکاسی ہے۔ یہ معاشرہ ہمارے آس پاس کا معاشرہ ہے، یہ معاشرہ سماجی اور معاشی بحران کا شکار ہے۔ اس کے افراد جسمانی مصائب اور ذہنی انتشار کی بناء پر ٹوٹ سے گئے ہیں پھر بھی یہ مسائل سے نبٹ رہے ہیں، ان کہانیوں میں شادی بیاہ، جہیز، جوڑے گھوڑے کی رقم، مہر، خاندان کے بیٹے یا بیٹی کی خاندان کی خاطر قربانی۔ نو بیاہتا لڑکی پر ظلم و ستم اور پھر طلاق، کم عمر مسلمان بچیوں کی مالدار عرب بوڑھوں سے شادی تاکہ لڑکی کے گھر کے معاشی مسائل حل ہوجائیں وغیرہ

ہر کہانی کا تانا بانا خواجہ فرید نے اپنے مخصوص انداز میں بنتے ہیں اور کہانی کے آخر میں وہ اپنا داخلی تاثر بھی دے دیتے ہیں اس طرح کہ کہانی کے اختتام پر وہ کہانی کا Moral بتادیتے ہیں مثلاً انھوں نے ایک کہانی محبت کے ایک سچے واقعہ کی بنیاد پر لکھی ہے اس پر وہ اپنا تاثر یوں دیتے ہیں کہ کہانی کے اس واقع سے معلوم ہوا کہ محبت اندھی اور سچی ہوتی ہے۔ یا ایک کہانی اس محاورے کی عکاسی کرتی ہے کہ جس کو اللہ رکھے اس کون چکھے۔

خواجہ فرید کے بیان میں مقامی رنگ ملتا ہے۔ کہیں کہیں دکنی انداز قصہ گو کے لب ولہجے پر غالب آجاتا ہے۔ مثلاً "وہ اوپر جاکر اپنی پوتری کی حالت دیکھ کر چیخاں مارنے لگا"۔

ایک اچھی بات یہ ہے کہ یہ کہانیاں مختصر ہیں، جس کی وجہ سے قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔

میں خواجہ فرید الدین صادق کو ان کے ادبی سفر پر مبارکباد دیتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ وہ اپنا سفر جاری رکھکر اردو کی خدمت کرتے رہیں گے۔

فقط
مخلص
رفیعہ منظور الامین

کچھ اپنے بارے میں

میں کون ہوں کیا ہوں کیا کرتا ہوں اس سلسلے میں میرے فرزند اکبر جناب خواجہ فخرالدین سہیل چشتی انجینیرنگ اسکالر متعلم M.Tech. کمیونیکیشن شریک معتمد ادارہ ادب صادق و سابق کپتان عثمانیہ یونیورسٹی کرکٹ ٹیم نے " ایک تعرف میں " اور برصغیر کی جانی مانی افسانہ نگار رفیعہ منظور الامین و جناب منظور الامین ڈائرکٹر جنرل دوردرشن نے " پیش لفظ " میں چند بلیغ اشارے دے چکے ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب الرائے میں ۹۰ سے زائد حضرات نے میرے بارے میں اپنی رائے دی ہے۔

میں اپنے بارے میں اتنا کہوں گا کہ میں ایک ادنی طالب علم ہوں آج کل ریسرچ کررہا ہوں اسلامک اسٹڈیز میں " قرآنی تعلیمات کی رہنمائی انسانیت کے لئے میرا ٹاپک ہے۔

افسانے و مضامین صادق میرے دلی جذبات اور مشاہدات سے ہٹ کر حقیقت کا رنگ لئے ہوئے آپ کے سامنے آئی ہے۔ اس کے بارے میں آپ کی رائے کی اہمیت زیادہ ہوگی۔ بجائے اس کے میں اسکے بارے میں کچھ لکھوں بحرحال دعا کیجیے گا کہ یہ ادبی سفر۔ یوں ہی جاری رہے۔

آمین

احقر

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق

کتاب الرائے سے

ادارہ ادب صادق کے بانی و صدر ڈاکٹر خواجہ فریدین صادق کے بارے میں شعراء و دانشوران ہند پاک کی اراء

۱۔ جناب خلیل الرحمن صاحب سابق رکن پارلمنٹ (راجیہ سبھا) ۲۹ / جنوری ۹۵ء

مجھے آج میرے ساتھیوں کے ساتھ ادارہ صادق کا معائنہ کرنے کا اتفاق ہوا ادارہ کی سرگرمیاں دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی اور اس کے لئے ادارہ کے بانی ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق قابل مبارکباد ہیں۔ اس پرآشوب دور میں جب کہ پورا ماحول اردو کے خلاف ہے اس ادارے کی جانب سے طلباء و طالبات کو اردو زبان دانی کی تعلیم دینا اردو پڑھانا اردو سکھانا قابل تعریف ہے اس ادارے میں ہندو مسلم سب ہی طلباء و طالبات اردو کی تعلیم حاصل کرہے ہیں۔ ہم نے خود طلباء اور طالبات کا امتحان لیا اور یہ پورے پورے کامیاب اترے اس ادارے کو اردو کاز کے لئے کام کرنے والی انجمنیں اردو اکیڈیمی اور حکومت کی سرپرستی کی بے حد ضرورت ہے ہماری نیک خواہشات ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق اور ان کے ساتھیوں اور ان کے ادارے کے ساتھ ہیں۔

۲۔ جناب پروفیسر غیاث متین صاحب ۱۱ / مارچ ۲۹۹۵ء

آج پہلی بار حاضر ہوا۔ اس مختصری عمر میں اس ادارے نے جو نام پیدا کیا وہ قابل رشک ہے "اللہ کرے زور ادب اور زیادہ"

۳۔ جناب پروفیسر عبدالرحیم صاحب (عثمانیہ) ۱۱ / مارچ ۱۹۹۵ء

بہت خوشی ہوئی کہ ادارہ ادب صادق اردو کی خدمت کررہا ہے "نئے چراغ جلاؤ کہ روشنی کم ہے"

۴۔ جناب نصیر بیابانی صاحب ۱۱ / مارچ ۵۹۹۱ء

ادارہ ادب صادق کو اللہ تعالیٰ اور فروغ عطا فرمائے۔ ڈاکٹر صادق کا خلوص غیر معمولی ...

۵ ۔اکمل حیدر آبادی صاحب ۱۱/ مارچ ۱۹۹۵ء

صادق اگرچہ کہ ایک فرد ہیں لیکن ان کی کاوشیں ایک تحریک کے برابر ہیں ۔ ادارہ ء ادب صادق کے بارے میں آج تفصیلی طور پر جان کر حیرت ہوئی اس کا اندازہ لگا نا خود میرے اپنے بس کی بات نہیں ہے ۔

۷ ۔جناب کلیم قریشی صاحب

ادارہ ءادب صادق کی کاوشیں لائق ہیں امید ہے کہ ہر نقش ثانی نقش اور سے روشن رہے گا۔

۸ ۔پیر جبری القادری صاحب ۱۱ / مارچ ۱۹۹۵ء

الحمدللہ ادارہ ءادب صادق کی سرگرمیوں سے میں کماحقہ متفق ہوں کہ ادارہ ء ادب صادق نہ حرف قدا کرے اور ادباء عصر حاضر کی فکری صلاحتیں سے شعراء کرام وہ سامعین کو روشناس کرارہا ہے ۔بلکہ عصر حاضر کے تقاضوں کو پیش کرنے کے بار آور سعی ممکنہ کررہا ہے ۔ مشاعرہ ئے کیلئے حیدر آباد دکن کی مائیہ ناز شخصیات کو صدارت اور بعض نام ور شعراء کو مہمان خصوصی سے مدعو کر کے عزت افزائی کررہا ہے ۔ دعاہیکہ رب العالمین اس ادارہ کو ادبی تاریکی میں مشعل راہ بنادے ۔آمین ۔ثم آمین۔

۹ ۔جناب روف خیر صاحب ۲/ اپریل ۱۹۹۵ء

ڈاکٹر صادق کے دل میں اردو کی ترویج و اشاعت کی جو تڑپ ہے. وہ مزہب و ملت کی تڑپ ہے کچھ کم نہیں ۔ہماری نئی نسل کا اردو زبان سے واقف ہو نا ہمارے مزہبی تشخص کے لئے بھی بے حد لازمی ہے کہ ہمارا سارے مزہبی سرمایہ اردو میں ہے ادب بہر حال زندہ رہنا ضروری ہے ڈاکٹر صادق کی خدمات قابل مبارکباد و قابل تحسین ہیں ۔

۱۰ ۔ڈاکٹر عقیل ہاشمی صاحب ۶/ مئی ۱۹۹۵ء

ڈاکٹر صادق ایک فعال ہمہ جہت آدمی ہیں ۔ ان میں اردو زبان و ادب کی خدمت کا پہلو نمایاں ہی نہیں بلکہ غالب ہے اپنے قائم کردہ ادارہ کے ذریعے وہ حتی المقدور کوشاں ہیں کہ اس زندہ زبان کو انسانی حیات و ممات سے مربوط کردیں موصوف سے مل کر مجھے ایک گوناں خوشی ہوئی میری خواہش ہیکہ وہ اپنے اس جزبہ صادق کو مدھم نہ ہونے دیں ۔

۱۱۔ محترمہ نایاب سلطانہ صاحبہ۔ ۶/ مئی ۱۹۹۵ء

اردو کی ترقی و ترویج کے لئے صادق صاحب کا یہ قدم لائق تحسین ہے میری دعائیں ہیں کہ اردو کے لئے ان کا یہ جزبہ بہ ہمیشہ زندہ اور صادق رہے۔

۱۲۔ جناب اظہر قادری صاحب نظام آباد

برادرم رحمن جامی صاحب کا حکم نہ ٹال سکا پہلی بار بن بلائے حاضر ہوا ہوں برادم صادق سے اکثر مشاعروں میں سرسری ملاقات ہوتی رہتی ہے سادگی کا دوسرا روپ ہیں لیکن آج ان کی بیٹھک میں پہلی بار داخل ہو کر ان کی نفاست اور سلیقے کا مداح ہوگیا۔ اسی نفاست اور سلیقے سے وہ اردو کی خدمت بھی کرتے ہوں گے خدا انھیں تمام احسن مواقع عطافرمائے۔ آمین۔

۱۳۔ سابق پرنسپال محمد اسحاق صاحب بی ایڈ کالج ۲/ جولائی ۱۹۹۵ء

آج ادارہ ادب صادق کی دعوت پر یہاں احباب کے اجلاس کی صدارت کا شرف حاصل ہوا اور اسی لیئے یہ چند کلمات بھی کتاب الرائے میں لکھنا پڑا مضمون۔ "عصر حاضر میں تعلیم کی اہمیت اور تعلیمی مسائل" رکھا گیا۔ تھا مختلف حضرات نے معین اہم مسائل پر گفتگو کی اور مجھے پندرہ منٹ میں ان تمام مسائل پر کچھ کہنا مشکل تھا اس لئے چند اک مسائل پر چند جملوں کی حد تک اکتفا کرنا پڑا۔ ادارہ ادب صادق کی یہ کوشش لائق تحسین ہے۔

۱۴۔ جناب رحمن جامی صاحب ۲/ جولائی ۱۹۹۵ء

سرد ثانی علامہ حضرت امجد حیدرآبادی نے فرمایا تھا۔ "کامیابی کچھ اور چیز نہیں۔ کام کرنا ہی کامیاب ہے" اس مکمل تفسیر ڈاکٹر صادق ہیں جس تن دہی سے یہ اردو زبان و ادب کی خدمت کررہے ہیں وہ قابل تحسین ہے میری دعا ہیکہ اللہ عالی ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور انھیں تاحیات جوان و صحت مند رکھے تاکہ یہ اسی طرح اردو کو زندہ رکھنے کا سامان کرتے رہیں۔ آمین۔

۱۵۔ جناب رئیس اختر صاحب ۶/ اگسٹ ۱۹۹۵ء

ادارہ ادب صادق کی محفل میں آج پہلی بار کلام سنانے کا موقع ملا بڑے با ادب باذوق اور

باشعور سامعین سے واسطہ پڑا جناب ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صاحب کی تقریر سے پتہ چلا کہ اس ادارے کے تحت مختلف پراجکٹس پر کام ہوتا رہا ہے اور کچھ پر جکٹس زیر غور ہیں۔ ارادوں میں پختگی حوصلوں میں تازگی ہو تو دینا کا کوئی کام مشکل نہیں مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق اپنے مقاصد میں ضرور کامیاب ہونگے۔

۱۶۔ جناب خواجہ محمد عبدالرزاق شوق۔ ورنگل ۶ / اگسٹ ۱۹۹۵ء

پہلی بار ادارہ ادب صادق کی محفل شعر میں شرکت ہو کر سنے اور سنانے کا موقع ملا اس محفل میں تقریبا حیدرآباد کے ممتاز شعراء شریک ہیں۔ اس کے علاوہ بازوق سامعین بھی تشریف فرمائیں۔ جناب خواجہ فرید صادق صاحب کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ وہ ایسی محفل آراستہ فرماتے ہیں جس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ اردو کی ترقی کے معاملے میں کتنے صادق اور پر عزم ہیں۔

۱۷۔ جناب صلاح الدین نیر صاحب ۶ / اگسٹ ۱۹۹۵ء

میں ہر اس انجمن کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہوں جو کھلے دل اور کشادہ ذہن کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھتے ہوئے اس ادارہ ادب صادق کی شعری و ادبی سرگرمیوں سے میں واقف ہوں اور معترف بھی ہوں کہ اعلی پیمانے پر محفلوں کو آراستہ کیا جاتا ہے۔ میں مبارک باد دینا چاہتا ہوں جناب صادق کو کہ موصوف پورے حوصلے کے ساتھ محفلیں منعقد کر رہے ہیں۔ خدا کرے کہ ان کا یہ حوصلہ ءجواں اسی طرح باقی رہے۔

۱۸۔ محمد رحمت اللہ خان رحمت کوثر صاحب ۲ / سپٹمبر ۱۹۹۵ء

میں احقرالعباد ڈاکٹر خواجہ فریدالدین المتخلص بہ "صادق" سے اور ان کے ادارہ ادب صادق سے کماحقہ واقف ہوں جزبہء صادق سے سرشار اس نوجوان کی منزل آسمانوں اور ان سے کچھ پرے ہی ہے اردو ادب و شعراء کی خدمت بلالحاظ نسل و رنگ و مزہب ان کا طرہ امتیاز ہے ذہنی کینواس نہایت وسیع و عریض ہے اس ناچیز نے اردو دانی کی کلاسوں کے معاملے میں بھی ان کے کام بچشم خود دیکھا ہے تلگو مادری زبان یا مرہٹی مادری زبان رکھنے والے طلباء کا امتحان بھی لیا ہے اور قلیل ترین عرصے میں ان طلباء کو اردو صحیح انداز میں پڑھتے لکھتے دیکھ کر مرا دل باغ باغ ہوگیا اللہ تعالی ان کی عمر دراز فرمائے اور ڈھیر ساری نعمتوں ۔۔

فراز فرمائے ۔ آمین

تم سلامت رہو قیامت تک
اور قیامت خدا کرے کہ نہ ہو

اردو زندہ باد ۔ صادق صاحب کا جزبۂ صادق ۔ پائندہ باد ۔

۱۹ ۔ جناب فکری بدایونی صاحب ۲ / ۱۹۹۵ء (مرحوم)

حیدرآبادی تہزیب کے آخری چراغ جنھوں نے حیدرآباد کی تہذیب کو پھر سے زندہ کرنے کی اپنی جدو جہد سے دلوں میں جان ڈال دی ہے ۔

۲۰ ۔ ڈاکٹر منیر الزماں صاحب ۲ / سپٹمبر ۱۹۹۵ء

بانی و صدر ادارہ ادب صادق ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق میرے رفیق دیرینہ ہیں جن کے ادبی ذوق سے احقر اک طویل عرصے سے واقف ہے موصوف میں شعر کہنے کی ساری صلاحیتں موجود ہیں ۔ اردو زبان کے سچے خدمت گزار ہیں میں ان کی صلاحیتوں کے بارے میں زیادہ کچھ نہ کہتے ہوئے اپنی تحریر کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ ۔ " اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ۔ موصوف کا قائم کرہ ادارہ بہت کم مدت میں جو ادبی مقام حاصل کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے شہر کے کسی اور ادارے کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہے ۔

۲۱ ۔ جناب ثاقب بنارسی صاحب ۲ / سپٹمبر ۱۹۹۵ء

میرے عزیز دوست ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق صاحب قابل مبارکباد ہیں جو اس پر آشوب دور میں ادب کی شمع جلائے ہوئے ہیں میں اپنے دل کی گہرائیوں سے انھیں مبارکباد پیش کرتا ہوں ۔

۲۲ ۔ سید نظیر علی عدیل صاحب ۲ / سپٹمبر ۱۹۹۵ء

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق بڑے ادب دوست اور جوشیلے کار پرداز ادب ہیں ۔ انھوں نے اس ادارہ کا نام تو اپنے نام پر رکھا ہے لیکن اس کی سرگرمیاں کچھ ایسی ہیں کہ ادارہ اسم باسمی ہوگیا ہے امید ہیکہ ڈاکٹر صادق اپنی سرگرمیوں کو اور تیز تر کردیں گے اور ادارہ کی کارکردگی کو وسیع پیمانے پر انجام دیں گے میری نیک تمنائیں اس ادارہ کے ساتھ ہیں ۔

۲۳ ۔ الحاج معین الدین بزمی صاحب ۲ / سپٹمبر ۱۹۹۵ء

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق صاحب بہت اچھا علمی ذوق رکھتے ہیں اور اس ادارہ کا نام بھی اسی نیت سے ادارہ ادب صادق رکھا ہے جسکی بفضلی تعالی اچھی شہرت ہوتی جارہی ہے مجھے امید ہیکہ ڈاکٹر صاحب کی کوشش کی وجہ سے یہ ادارہ اچھی طرح ترقی کرتا جائیگا اور آج کل ایسے اداروں کی شدید ضرورت ہے۔

۲۴ ۔ ڈاکٹر سید حمیدالدین شرفی صاحب ۲ / سپٹمبر ۱۹۹۵ء

ادارہ ادب صادق کی علمی ادبی و مزہبی سرگرمیاں قابل صد تحسین ہیں بانی و صدر ادارہ کی اس ضمن میں مخلصانہ جدوجہد لائق فقید المثال ہے اللہ تعالی سے دعا ہیکہ اس کام میں وسعت اور متعلقہ حضرات کو عزم واستعانت کی دولت سے مالا مال کرے ۔ آمین۔

۲۵ ۔ جناب خواجہ شوق صاحب ۳ / سپٹمبر ۱۹۹۵ء

آج مجھے اور ادارہ ادب صادق میں شرکت کا موقع ملا بڑی مسرت ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب بڑی محنت اور لگن سے اسکی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں جولائق تحسین ہے دعا ہیکہ اللہ پاک ان کی پر خلوص کاوشوں کو کامیاب وہ بامقصد بنائے رکھے ۔ آمین

۲۶ ۔ جناب نہپال سنگ ورما صاحب بانی گیت چاندنی ۴ / سپٹمبر ۱۹۹۵ء

ڈاکٹر صاحب سے میری ملاقات اکثر کا موقع ملا ہے ڈاکٹر صاحب نے اپنے ادارہ کو ادب کے نام سے معنون کیا ہے اور خود ادب سے وقف ہوچکے ہیں میں ساری نیک تمنائیں اس ادارہ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ ادارہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے ۔

۲۷ ۔ جناب یوسف کمال صاحب (دوحہ قطر) ۴ / سپٹمبر ۹۵ء

عزیز و محترم

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق ادارہ کے بانی و صدر کا میں تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انھوں نے مجھے لیئے سید عبدالغفار عرف یوسف کمال کو سہ روزہ جشن غزل وہ نعتیہ محفلوں میں موقع دیکر اعزاز بخشا۔ میں یہاں یہ محسوس کرتا ہوں کہ واقعی ڈاکٹر صادق صاحب جو محفلیں منعقد کئے ہیں میں اس سے بہت محضوض ہوا ہوں اللہ تعالی سے میری استعدعا

ہیکہ ان محفلوں کو منور فرمائے مجھے امید ہیکہ آئندہ بھی اسی قسم کی ادبی محفلیں سجا کر ہم جیسے کمزور ادیبوں کو آگے بڑھنے کی راہیں استوار کریں گے ۔ آمین ۔

۲۸ ۔ جناب وحید مرزا صاحب ایڈوکیٹ سابق صدر اردو اکیڈیمی یکم اکٹوبر ۱۹۹۵ء

میں ایک عرصہ سے ادارہ ادب صادق کی سرگرمیوں کے تعلق سے اخباری دنیا کے ذریعہ واقفیت حاصل کرتا رہا ہوں ایک وکیل کی حیثیت سے میں ۴۳ سال سے نظام آباد میں پراکٹس کررہا ہوں آج کل حیدر آباد میں بھی میرا قیام ہے ۳۰ / جولائی کو اچانک میں اورینٹ فنکشن ہال مہدی پٹنم کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ ادارہ ادب صادق کے ادبی اجلاس و مشاعرے کے بیانر پر نظر پڑی جس کی کشش نے مجھے اس اجلاس میں شرکت پر اکسایا میرا ادبی دنیا سے تقریباً ۴۵ برس سے تعلق ہے برسوں ریڈیو اسٹیشن سے میری شاعری نشر ہو چکی ہے تین شعری مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں اور بہت سی ادبی انجمنوں جیسے اردو اکیڈیمی اے ۔ پی ۔ انجمن ترقی اردو سے میرا تعلق رہا ہے یہاں آنے کے بعد اور ادبی اجلاس و مشاعرے میں شرکت کے بعد میں محسوس کیا کہ جناب فریدالدین صادق صاحب بے لوث انداز میں اردو ادب کی خدمت فرمارہے ہیں یہاں مجھے ہر مکتبہ خیال کے ادیبوں شاعروں اور اردو کے نمائندوں کی موجودگی نے میں بہت متاثر ہوا یہاں کسی قسم کی گروپ بندی مجھے محسوس نہیں ہوئی اور جس طرح صادق صاحب اردو زبان و ادب کی خدمت کررہے ہیں منہمک ہیں اس سے قوی امید ہیکہ شہر کے تمام اردو انجمنوں ادیبوں اور شاعروں میں اتحاد کا جزبہ پیدا کرتے ہوئے اردو دنیا کی اہم خدمت انجام دیں گے خدا موصوف کی کاوشوں کو کامیاب فرمائیں گے میں اپنے اس شعر پر اپنی رائے ختم کرتا ہوں ۔

"وہ ایک عزم جیسے عزم نا خدا کہیے
نہ ہو تو کوئی سفینہ بھنور کے پار نہیں"

۲۹ ۔ جناب حسن فرخ صاحب

ادارہ ادب صادق کی ادبی سرگرمیوں میں شرکت کا شرف میرے لئے "اہم ہے" اور میری دعا ہیکہ یہ ادارہ اسی طرح اپنی زبان کی خدمت کرتے رہے ۔

۳۰ ۔ جناب مصنطر مجاز صاحب (ماہر اقبالیات) یکم اکٹوبر ۱۹۹۵ء

"کئے جاؤ کوشش مرے دوستوں"

۳۱ ـ ڈاکٹر انور الدین صاحب (صدر شعبۂ اردو جامعہ حیدر آباد) ۱۹۹۵ء

برادرم خواجہ فریدالدین صادق ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں ساتھ ہی وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں۔ اردو زبان سے خاص لگاؤ ہے آج کے نامساعد حالات میں بغیر کسی غرض و سیاسی مقاصد کے اردو کی شمع جلائے ہوئے ہیں۔ خدا ان کے نیک مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔

۳۲ ـ ڈاکٹر رحمت یوسف زئی صاحب (لندن) ۳ ڈسمبر ۱۹۹۵ء

بہت دلچسپ نشست رہی۔ جس خلوص و محبت سے محفل سجائی گئی تھی وہی کامیابی مشاعرہ کی اصلی وجہ تھی باصد مبارکباد۔

۳۴ ـ جناب حلیم بابر صاحب صدر "بزم کہکشاں" محبوب نگر ۳/ڈسمبر ۱۹۹۵ء

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین اردو سمینار مزاکرے مشاعروں کا انعقاد عمل میں لاتے ہوئے اردو کی بقا و عروج کے لئے اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جو ایک مستحسن اقدام ہے خدا کرے کہ ادارہ کی یہ علمی ادبی سرگرمیاں یوں ہی جاری رہیں اور دنیائے شعر و سخن کو یہ اعزام ملتا رہے اور محبان اردو اس سے متقید ہوتے رہیں۔ میں جناب خواجہ فریدالدین صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے تھوڑی ہی مدت میں اردو زبان اور اسکی بقا میں وہ نمایاں رول انجام دیئے ہیں جس کو محبان اردو فراموش نہیں کر سکتے۔ اردو پائندہ باد۔

۳۵ ـ محترمہ رفیعہ منظور الامین ۷/جنوری ۱۹۹۶ء

یہ اردو کی طلب صادق ہی ہوگی کہ صادق اسکی زلف سنوارنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ڈاکٹر صاحب اس دور پر آشوب میں صدق دل سے اردو کی خدمت کر رہے ہیں۔ اور ادارہ ادب صادق اسکا گواہ ہے اگر ڈاکٹر صادق صاحب کی طرح کچھ اور اردو کے علم بردار اٹھ کھڑے ہوں تو مجھے یقین ہے کہ اردو کو بیساکھیوں کی ضرورت نہیں ہوگی۔ نیک تمنائیں۔

۳۶ ـ جناب اقبال طاہر صاحب ۱۲/مارچ ۹۶ء

مجھے بیحد مسرت ہیکہ آج میں بزم صادق میں شریک ہوا اور اس انجمن کے بارے میں

تفصلات معلوم ہوئیں۔

۳۷۔ جناب سوز عابدی صاحب ۱۲/ مارچ ۱۹۹۶

ادب دوست فریدالدین صادق کی صدق نیت کی آئنہ داریہ محفل قابل صد ستائش مجھے اس میں شریک ہونے کا دوسری بار شرف ملا ہے امید کہ ان کی کاوشیں بفضل تعالیٰ ثمر آور ہوں گی۔

۳۸۔ جناب ڈاکٹر جگدیش بھلا صاحب ،/ اپریل ۹۶ء

مجھے اس مشاعرے میں شامل ہونے کا سوبھاگیہ پراپت ہوا سبھی شاعروں کا کلام سنا بہت ہی آنند آیا میری دعا ہیکہ یہ سنستھائیں ہی اردو کی خدمت کرتی رہے۔

۳۹۔ جناب انور الدین کمال صاحب ،/ اپریل ۹۶ء

آپ کی پرلطف محفل میں شریک ہوکر بہت مسرور ہوا۔

۴۰۔ جناب اسلم فرشوری صاحب (آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد)،/ اپریل ۹۰

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق صاحب سے مل کر بے حد مسرت ہوئی حصول علم کی لگن کسی ایک شخص میں بدرجہ اتم موجود پائی تو وہ صرف ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق کی شخصیت ہے آپ ادارہ کے زریعے جو خدمات انجام دے رہے ہیں وہ قابل تحسین ہیں اللہ تعالیٰ انھیں کامیابی عطا کرے۔

۴۱۔ جناب قمرالدین صابری صاحب اڈوکیٹ مدیر ماہ نامہ "شاداب" ،/ اپریل ۹۶

جناب فریدالدین صادق کی ہمہ پہلو شخصیت کا یہ پہلو بڑا مسرت بخش اور خوش اور خوش آئند ہے کہ وہ بڑے خلوص اور محنت سے ادب کی محفلیں سجاتے ہیں اور متعدد ادبی مصروفیات کو سہ پہر سے شروع کر کے رات دیر گئے تک جاری رکھتے ہیں ان کی ادبی محفلوں کے متوالے دور دور سے آتے ہیں اور دیر تک ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں جو اکثر شوکوکڑے امتحان میں ڈال دیتا ہے۔ آج کی محفل مغرب کے بعد شروع ہوئی اور امید ہے ساڑھے دس بجے تک ختم ہوجائے گی اس انتظام سے خوش دلی کے ساتھ لطف اندوز ہونے کا موقع مل گا امید ہے بعد کی محفلوں میں بھی اس نئے اہتمام کا لحاظ رکھا جائے گا۔ اس

امید کے ساتھ۔

۴۲۔جناب ڈاکٹر اکبر یوسفی صاحب ۲/جون ۹۶ء

آج میں ادارہ ادب صادق میں شریک ہوا ہوں۔ میں مسرت محسوس کرتا ہوں یہ کام اچھا ہورہا ہے وہ یہ کہ ماہ ادبی اجلاس ہوتا ہے اور مشاعرہ اور اس میں کسی شاعر کی تہنیت بھی ہوئی۔ بہت اچھا ہوا۔ یہ کام اچھا ہے صادق صاحب اس ادارے کے بانی ہیں مبارک باد کے مستحق ہیں۔

۴۳۔جناب نصرت عالم صاحب ۷/جولائی ۹۶ء

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق سے مجھے کچھ کہنا تھا۔ کہ

ماتند سحر صحن گلستاں میں قدم رکھ
آئے نہ پا گوہر شبنم تو نہ ٹوٹے

۴۴۔جناب روحی قادری صاحب

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صاحب اردو ادب کے دوستوں کی جو خدمت کررہے ہیں وہ یقینا لائق تحسین ہیں۔

۴۵۔ حضرت محمود شرفی صاحب ۴/اگسٹ ۹۶ء

ادارہ کے کام قابل تحسین ہیں اللہ ان کے کام میں برکت عطافرمائے۔

۴۶۔حضرت داود نصیب صاحب ۴/اگسٹ ۹۶ء

اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپکے ادارہ کے تمام مصروفیات کو ترقی عطافرمائے۔

۴۷۔جناب محمد عبدالرب صاحب

پہلی وقع ادارہ میں آنے کا اتفاق ہوا انتظامات سے وغیرہ سے کافی متاثر ہوا اردو زبان کے لئے کوشش کافی حوصلہ افزا ہے۔

۴۸۔جناب کمال صدیقی صاحب

ادارہ ادب صادق میں پہلی حاضری ہے صادق کی کارکردگی اخبارات میں دیکھتا رہتا ہوں ماشاء

ان کی تعریف کرنا سورج کو چراغ بتانا ہے۔ خداوند کریم ان کی کاوشوں کو کامیاب کرے آمین۔

۴۹۔ جناب ڈاکٹر سید حسن صاحب

میں کیا عرض کرسکتا ہوں یہ میری اپنی بزم ہے مشاعرے کی نظامت بھی کیا مہمان خصوصی بھی رہا یہ ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق صاحب کا جزبۂ صادق ہے اردو کی خدمت اردو کی تعلیم اور اسی تعلیم کے علاوہ شعری و ادبی محفلوں سے اپنا مقصد خوب حاصل کررہے ہیں دعا ہیکہ وہ سدا کامیابی کی منزلیں اسی طرح کرتے رہیں اور بام عروج پر پہنچیں۔

۵۰۔ جناب طاہر گلشن آبادی صاحب یکم سپٹمبر ۹۶ء

ایک عرصہ دراز کے بعد آج کی محفل میں شریک ہوسکا۔ مصنظر مجاز اور کریم کرضا حبان کی وجہ سے بھی ادارہ ادب صادق میں شرکت ضروری ہوگئی تھی فرید صاحب کے اخلاص کی تعریف نہ کرنا تنگ دلی کو ظاہر کرتا ہے میں ایسا تنگ دل بھی نہیں مگر صادق سے گزارش ہیکہ ادارہ کو صرف اپنے ہی خاندان میں بند نہ کریں بلکہ دوسرے مخلص لوگوں کو بھی اس کا ممبر بنائیں اور کام کریں۔

۵۱۔ جناب صادق نوید صاحب یکم سپٹمبر ۹۶ء

اردو زبان و ادب کی حتی لامکان بے لوث خدمت کرنے والا ادارہ ادب صادق اسم بامسمی ادارہ ہے جو قابل ستائش ہے۔

۵۲۔ جناب دلشاد رضوی صاحب یکم سپٹمبر ۹۶ء

محترم خواجہ فریدالدین صادق کی بے لوث خدمات کے لئے میں انھیں سلام کرتا ہوں

۵۳۔ جناب راحت عزمی صاحب یکم سپٹمبر ۹۶ء

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق صاحب علمی دنیا کی معروف شخصیت ہیں آپ جو علمی خدمات انجام دے رہے ہیں وہ قابل مبارکباد ہیں۔ نہ یہ کہ وہ خود مختلف علمی میدانوں میں مستند استاد ہیں بلکہ وطن کے نونہالوں کو بھی اپنے علم سے فیض یاب کررہے ہیں۔ یہ سب سے بڑی خدمت ہے۔ میں خواجہ صاحب کی ہمہ رخی میدانوں میں ترقی اور کامیابی کی دعا کر رہا ہوں۔

۵۴۔ جناب ڈاکٹر کریم رضا صاحب معتمد تعمیر ملت یکم سپٹمبر ۹۶ء

آج ایک ادبی محفل اور مشاعرے میں شرکت کا موقع نصیب ہوا اتنی صاف ستھری اور باوقار نشست بہت کم دیکھنے میں آئی ہے میں فرید الدین صاحب کی بے لوث خدمات اور ان کے خلوص پر بے حد متاثر ہوا مولانا ناصرالدین صاحب خالد جیسے نعت گو شاعر کی تہنیتی تقریب میں شرکت کو اپنے لئے سعادت تصور کرتا ہوں۔

۵۵۔ جناب ناصرالدین صاحب خالد صدیقی یکم سپٹمبر ۹۶ء

آج کی تہنیتی تقریب کے لئے ادارہ ادب صادق اور خصوصاً ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق کا شکریہ اور دعاگو ہوں کہ اللہ ہم سب کو نبی کریم کے اسوہ حسنہ اور شریعت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۵۶۔ جناب ڈاکٹر صادق تقوی صاحب ۶ / اکٹوبر ۹۶ء

اخباروں کے ذریعہ ادارہ کی سرگرمیوں سے واقف ہی تھا لیکن آج محترم حضرت سعید شہدی صاحب کے تہنیتی جلسے و مشاعرے میں شرکت کا موقع ملا۔ ادب کی راہوں میں علم و دانش کے چراغ روشن کرنا اور مستقبل کے ادب نواز راہوں کی خدمت کرنا یقیناً بڑا اہم کام ہے خدا کرے ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق صاحب کا یہ عزم یوں ہی قائم رہے۔

۵۷۔ جناب سعید شہیدی صاحب ۶ / اکٹوبر ۹۶ء

ادارہ ادب صادق کے بانی ڈاکٹر صادق صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ وہ اردو کے کاموں میں پہل کررہے ہیں۔

۵۸۔ جناب عزیز بھارتی صاحب ۳ / اکٹوبر ۱۹۹۶ء

ادارہ ادب صادق خوب سے خوب تر کی تلاش میں یوں ہی سرگرداں رہے ہیں۔ میری دعا ہے مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ جناب صادق احباب کے مشوروں کو سنجیدگی سے سنتے ہیں۔ اور حتی الامکاں اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی ان کی کامیابی کا راز ہے۔ میری دعا ہیکہ یہ ادارہ اختلافات کی راہ سے ہٹ کر چلتا رہے۔

۵۹۔ محمد منظور احمد صاحب ۳ / نومبر ۱۹۹۵ء

مجھے ادارہ ادب صادق کے ایک ادبی اجلاس میں شرکت کا موقع ملا یہ اجلاس محترمی جناب

قمرالدین صابری صاحب کی بے لوث اور پر خلوص ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر منعقد ہوا تھا ۔ ڈاکٹر صادق اس ادارہ ادب صادق کے ذریعہ اردو زبان و ادب کی خدمت فرمارہے ہیں جس کے لئے ان کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے ۔ ہماری زبان کو ڈاکٹر صادق جیسے خدمت گزاروں کی ضرورت ہے ایسے ہی والہانہ طور پر کاروں کی ترویج و اشاعت کے لئے گہری لگن کے ساتھ کام کرنے والے ہمارے ملک ہندوستان میں اردو کو ہمیشہ روشن رکھ سکتے ہیں ۔ مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر صادق آئندہ بھی جوش و خروش کے ساتھ ہماری زبان اور ادب کے ذریعہ ہمارے ملک ہماری قوم بلکہ بنی نوع انساں کی خدمت میں مصروف رہیں گے ۔ "اللہ کرے مرحلئے شوق نہ طے ہو"

۶۰ ۔ جناب رشید الدین صاحب جائنٹ ایڈیٹر شاداب

آج پہلی بار محترم قمرالدین صابری صاحب کے جلسۂ تہنیت میں شرکت کرنے اور تقریر کرنے کا موقع ملا مجھے خوشی ہیکہ ڈاکٹر صادق ایک اچھا ادارہ چلارہے ہیں وہ میرے ہم محلہ بھی ہیں اور ہم ذوق بھی میں ان کو ان کاوشوں کی توصیف و تعریف کرنے پر مجبور ہوں اور یہی کہوں گا کہ "اللہ کرے زور و شوق اور زیادہ"

۶۱ ۔ جناب گوہر کریمنگری صاحب یکم سپٹمبر ۹۶ء

آج پہلی دفعہ ادارہ ادب صادق کے ادبی اجلاس و مشاعرے میں شرکت کا موقع ملا ۔ ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق صاحب کی شخصیت سے حیدرآباد کی ہر انجمن واقف ہے ۔ اضلاع میں بھی موصوف عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں بہت ہی کم عرصے میں ادارہ نے جو نام کمایا اور خدمت انجام دیں ہیں وہ قابل تعریف ہیں آج اردو کو ایسے ہی سچے خادم کی ضرورت ہے خدائے بزرگ و برتر موصوف کو صحت و عافیت اور عمر دراز عطا فرمائے ۔ آمین ۔

۶۲ ۔ جناب سعید اللہ خان افق براری صاحب یکم ڈسمبر ۹۶ء

جناب ڈاکٹر فریدالدین صادق کی مخلصانہ ادبی خدمات قابل تحسین ہیں اللہ دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے ۔ آمین ۔

۶۳ ۔ جناب الطاف صمدانی صاحب یکم ڈسمبر ۹۶ء

ادارہ ادب صادق لائق تحسین ہیکہ اس بانی خواجہ فریدالدین صادق بہت مخلص اور ادب

نواز ہیں یہ تمام مکاتب فکر کے شعراء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اللہ سے دعا ہیکہ اللہ انھیں اپنے عزم صادق میں کامیابی عطا کرے۔

۶۴۔ جناب فاروق شکیل صاحب ۲/ مارچ ۹۸ء

ڈاکٹر فریدالدین صادق صاحب کی ادبی خدمات قابل ستائش ہیں ادارہ ادب صادق کے ادبی اجلاس مذاکرے اور مشاعرے بڑے اہتمام اور پابندی سے کرتے ہیں ادباء اور شعراء کی قدر اور عزت افزائی کرتے ہیں اردو میں ایسی شخصیت کو یاد ہوتی ہے میری دعا ہیکہ ڈاکٹر صادق کی خدمات ناقابل فراموش ہو جائیں۔

۶۵۔ م۔ ق۔ سلیم صاحب ۲/ مارچ ۹۷ء

ادارہ ادب صادق نے تصدق دل کے ساتھ جو ادب کی خدمت کر رہے ہیں وہ کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی ڈاکٹر فریدالدین صادق کی ہشت پہلو شخصیت دیکھنے کے بعد یقین نہیں آتا کہ فرد واحد میں فیزیشن، فلاسفر، لیگل اڈوائزر، ایجوکیشنلسٹ، سائنٹٹ، شاعر، ادیب، تاریخ داں، اور آرکیالوجسٹ، اتنی ساری خوبیاں موجود ہیں۔ خدا کرے کہ زور ادب اور زیادہ۔

۶۶۔ جناب شاہد علی عدیلی ۲/ مارچ ۹۷ء

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق اردو ادب کی جو بیش بہا خدمت انجام دے رہے ہیں۔ وہ قابل تحسین ہے۔ جس طرح ان کا یہ اسم گرامی صادق ہے اسی طرح یہ اپنے قول و فعل کے بھی صادق ہیں جو کہتے ہیں کر دکھاتے ہیں۔ ان کے حق میں یہی دعا ہیکہ۔ تم سلامت رہو قیامت تک اور قیامت خدا کرے کہ نہ ہو۔

۶۷۔ جناب فصیح الدین فصیح پاکستان ۱۷/ مارچ ۹۷ء

ڈاکٹر فریدالدین صادق صاحب لائق ستائش ہیں۔ ادارہ ادب صادق کے نہ صرف بانی ہیں۔ بلکہ اس کو بہت عمدہ طریقے سے چلا رہے ہیں اور نامور و ممتاز شعراء و ادباء کو اپنے ادارہ میں شرکت کے لئے مدعو کر کے حقیقی معنے میں زبان اردو اور شعر و ادب کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ میں انکی ان شبانہ روز کوششوں کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا ساتھ ہی میری تمنا اور دعا ہیکہ وہ اس ادارہ کو مزید فعال اور سود مند بنانے میں کامیاب ہوں۔

۶۸۔ جناب ڈاکٹر محمد محمود صدیقی قادری ق

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق صاحب بانی ادارہ ادب ص
شاعر جناب محمد امان علی ثاقب صاحب صابری کے ا
تقریب میں شرکت کا موقع ملا ادارہ ادب صادق کی جار
فخر ہیں دعا ہیکہ اللہ تعالی بانی ادارہ محترم ڈاکٹر خواجہ فر
میں کامیابی عطا فرمائے اور ادارہ ادب صادق ترقی کی

۶۹۔ جناب محمد عنایت علی راہی صدر

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صاحب بانی ادارہ ادب صادق
کا دیب کے تعلق سے اعتراف خدمات کے سلسلے
دوسرا موقع ہے کہ یہاں شرکت کا موقع ملا صادق ص
کے لئے میں ان کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہ
برابر جاری رکھیں اللہ پاک ان کے ارادوں میں پختگ

۷۰۔ جناب روف خیر صاحب ۴/۰

ادارہ ادب صادق کے کرتا دھرتا ڈاکٹر فریدالدین صا
و جنون نایاب ہے جو ان کی پہچان ہے اللہ یہ ادار
کی طویل ترین غزل کا معاملہ ہے اس سلسلے میں ڈ
چاہئے اور اگر ہو جائے تو حیدرآباد دکن کے لئے یہ

۷۱۔ محترمہ لئیق شبنم صاحبہ یکم جون

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین بانی ادارہ ادب صادق کو دلی
کے لئے ہر ماہ ادبی اجلاس اور ادبی مشاعرہ اپنے
منعقد کرنے سے اس میں شاعروں کی حوصلہ افزائی
کی یہ جدت اور ہمت کی میں داد دیتی ہوں اور یہ د
ہوتا رہے اور اللہ اس میں تدبر ترقی ب دے اور

۷۲۔ جناب عابد صدیقی صاحب نیو

ادارہ ادب صادق کی کارکردگی و خدمات ناقابل فراموش ہیں ۔ ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق قیادت وہ رہنمائی میں ادارہ نے قلیل عرصے میں اپنی انفرادیت کو منوایا۔ مجھے معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ اب تک کئی ادبی اجلاس و مشاعرے اور تہنیتی جلسے منعقد کئے گئے جس میں شہر کے کئی ادیب و شاعر اور دانشور شرکت کرتے ہیں ڈاکٹر صادق ایک غیر نزاعی اور انتہائی اعلیٰ تعلیم یافتہ شاعر اور دانشور ہیں ۔ انھوں نے اردو شاعری میں منفرد انداز کے انوکھے تجربے کئے جو قابل قدر ہیں میں ان کے جزبہ شوق اور کاوشوں کو خراج تحسین ادا کرتا ہوں امید کہ ادارہ ادب کے زیر اہتمام اور ڈاکٹر صادق کی رہنمائی میں ادبی اجلاس اور شاعروں کا یہ بامقصد سلسلہ جاری رہے گا اور زبان و ادب کی ترقی کے امکانات روشن ہونگے ۔ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص میں اضافہ اور کوششوں کو استحکام عطا کرے آمین ۔

۷۳ ۔ جناب مسعود عابد ظہیر آباد ۳ / جولائی ۹۷ء

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ بزم ادب صادق کے بانی جناب خواجہ فریدالدین صادق نے کسی نہ کسی طرح ادب کی شمع جلا رکھی ۔ جسکی روشنی مدھم ہی سہی اپنے ماحول کو روشن کر رہی ہے۔

۷۴ ۔ محسن جلگانوی صاحب ۶ / جولائی ۹۷ء

پہلی بار ادارہ ادب صادق کے ادبی اجلاس میں شرکت اتفاق ہوا خوشگوار حیرت ہوئی کہ ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق ادب و فن کی بے لوث خدمت انجام دے رہے ہیں اور اردو دنیا کی اہم ترین شخصیتیں آتی رہی ہیں ۔ ادارہ اور صادق صاحب تخلیق کاروں کی کو مسند عطا کرتے ہیں اور ان کی پذیرائی کرتے ہیں ۔ میں پر امید ہوں کہ ادارہ ادب صادق اپنی علمی و ادبی مساعی کو جاری رکھیں گے ۔

۷۵ ۔ ناشاد اورنگ آبادی صاحب ۶ / جولائی ۹۷ء

یہ میری خوش نصیبی ہے کہ اپنے محسن جناب محسن جلگانوی کے ساتھ پہلی بار ادارہ ادب صادق کے شعری نشست میں شریک ہوا اور یہاں حیدرآباد کے ساتھ ساتھ آس پاس کے شہروں کئی اہل علم و فن کے ساتھ ساتھ کچھ چوٹی کے شعراء اکرام سے ملنے کا موقع ملا میں بے حد ممنون ہوں جناب ڈاکٹر صادق کا جو ایک فعال شخصیت کے مالک ہیں اور اردو کی بے لوث خدمت کئے جارہے ہیں میری مخلص اور علمی دوست ہیں شاید اسے ہی حضرات کی

وجہ سے شمع اردو روشن ہے میں ان سے مل کر شاد ہوا اور انشاء اللہ دل کے گوشے میں ان کی یاد تازہ رہے گی اللہ انھیں سلامت رکھے آمین۔

۷۶۔ جناب طالب خوند میری صاحب ۳/اگسٹ ۹۷ء

ادارہ ادب صادق نے آج پہلی بار حاضر ہوا "کچھ گناہ اتنے خوبصورت اور پیارے ہوتے ہیں کہ ان کے ارتکاب کو بار بار جی کرتا ہے" نہ جانے یہ کس کا قول ہے اچھا لگا اور اس سے حوصلہ بھی ملا ممکن ہے اسی حوصلے کے سہارے میں یہاں پھر حاضر ہو جاؤں۔ توبہ کا دروازہ تو قیامت تک کھلا ہے۔

۷۷۔ جناب حمید حامل صاحب ۵/اکٹوبر ۹۷ء

یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں ڈاکٹر صادق صاحب کے بہت قریب ہوں ان کا اخلاص اور علم دوستی ذہن میں رہتی ہے۔ اگر مجھے کہنا بھی نہیں ہوتا ہے تو ان کی محفل میں ضرور حاضر ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔

۷۸۔ جناب محسن عرضی (تانڈوای) ۲/نوبر ۹۷ء

ادارہ ادب صادق میں شرکت کر کے میں نے محسوس کیا کے ۳ سال کی مدت میں ۴۷ مشاعرے کرنا یقیناً دل گردے کی بات ہے۔ اس ادارے کی نہ تو کسی کی مالی اعانت ملتی ہے اور نہ کسی قسم کا چندہ وصول کیا جاتا ہے۔ تن تنہا اپنے اخراجات پر مسلسل برماہ مشاعرے کروانا یقیناً صاحب ہمت ہی کا کام ہے۔ مجروح سلطان پوری ان کا یہ شعر بانی وہ صدر جناب صادق پر پوری طرح صادق ہوتا ہے میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر لوگ آتے ہی رہے اور کارواں بنتا گیا میں اس طرح صادق آتا ہے میری دعا ھیکہ اس ادارے کو چار چاند لگ جائے۔

۷۹۔ ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس ۳/ڈسمبر ۹۷ء

استاد گرہ اس قدر ڈاکٹر محمد انور الدین صدر شبہ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد کی ادارہ ادب صادق کے ادبی اجلاس و مشاعرے میں شرکت کا موقع ملا۔ اور اسکے سرگرمیوں کی رپورٹ سن کر بڑی مسرت ہوئی کے ادارہ اس دور میں اردو شعراء ادب کی ترقی و فروغ کے لئے مخلصانہ کوشش کر رہا ہے۔ دعا ہے کے ادارے کی ساعی معنی شکور ثابت ہو۔

۸۰ ۔ محبوب علی خان افگر ۱۴ / ڈسمبر ۹۷ء

زندگی جہد سلسلہ کا نام ہے "

۸۱ ۔ جناب حامد امر ضیہ ۱۴ / ڈسمبر ۹۷ء

دکن کی مایہ ناز شخصیت ممتاز شاعر نامور ادیب مشہور طبیب شاعروں و ادیبوں کے مسیحا ڈاکٹر فرید الدین صادق ادبی علمی و شعری سر گرمیوں کو دیکھ کر مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کے موصوف کی شخصیت دیگر شعراء و ادیبوں کے لئے موجب تقلید ہے ۔ انکے خدمات نا قابل فراموش اور دور سروں کے لئے مشعل راہ بھی اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ۔

۸۲ ۔ جناب منیر جمال صاحب صحافی ۲۹ / ڈسمبر ۹۷ء

ڈاکٹر خواجہ زید الدین صادق کی ادبی خدمات لائق تحسین ہیں ۔

۸۳ ۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری ۴ جنوری ۹۸ء

آج بار اول ادارہ ادب صادق کی کادبی و شعری نشت میں شریک ہونے کا موقع ملا ۔ ماشاللہ ڈاکٹر فرید الدین صادق بے لوث اردو زبان کی اور اردو ادب کی اور اردو کے شعراء کی خدمت میں مصروف ہیں ۔ دوسرے افراد کو انکی تقلید کرنے کی ضرورت ہے ۔ میں کہتا ہوں کے ۔ ذلک فضل اللہ لو لیتہ سن میشاء ۔ اور دست دعا ہوں کے اللہ ان کے کام میں اور فاز ترقی عطا فرمائے (آمین)

۸۴ ۔ احمد شاہ ارشاد ۴ / جنوری ۹۸ء

بزم صادق میں حاضری کا پہلا موقعہ ہے ۔ ایسا لگے کے مجھے یہاں بہت پہلے چلے آنا چاہیے تھا ۔ بزم صادق کے شب و روز ترقی کے لئے دعا گو ہوں ۔

۸۵ ۔ ممتاز افسانہ نگار اظہر افسر یکم مارچ ۹۸ء

اِدارہ ادب صادق کے ادبی جلسے اور مشاعرے میں شریک ہو کر بے حد خوشی ہوئی ۔ ادبی انجمنیں اسی طرح کام کرتے چاہئیں ۔ خدا ڈاکٹر صادق کی مصروفیت اور کام کو ترقی دے ۔ (آمین)

۸۶ ۔ دلشاد رضوی یکم مارچ ۹۸ء

ترقی زبان اردو کے لئے ہر کوشش لائق تحسین ہے اور اسکی خدمت کیلئے ادارہ ادب صادق قابل مبارکباد ہے۔

۸۸۔ مسعود بن سالم ڈائرکٹر اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش حیدرآباد

ادارہ ادب صادق کے بانی و صدر ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق صاحب کی اردو خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ اردو زبان کو ادب کی مخلفانہ اور اردو تعلیم کی بھی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اسطرح اردو زبان کی ترقی اور پھیلاو میں ٹھوس عملی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ادبی اجلاس اور مشاعروں کا انعقاد شعراء و ادیب کے اعتراف کی عظیم خدمات انجام رہے ہیں۔ میں آج کا اجلاس ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق کے اردو محبت کا ثبوت ہیں۔ اس قسم کی تنظیموں اور اداروں کی ہمت افزائی اور تعاون کا کام بھی ادبی انجمنوں کا فرض ہے۔ نیک خواہشات اور تمناوں کے ساتھ۔

۸۹۔ جناب صادق نوید ۵/ اپریل ۹۸ء

ادارہ ادب صادق کے بانی و صدر ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق اردو زبان وہ ادب و شاعری کی ٹھوس خدمات کا جزبہ صادق رکھتے ہیں۔ جس کا اعتراف نہ کرنا بد دیانتی ہوگی۔ اللہ کرے جزبہ شوق اور زیادہ۔

۹۰۔ محمد عارف الزماں خان مدیر ماہنانہ رسالہ آندھرا پردیش۔

پہلی بار ادارہ ادب صادق میں آنے کا موقع ملا۔ جناب ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق کی ادبی خدمات قابل ستائش ہیں۔ میں انکو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور دعا گوہوں کے آپ کا ادارہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے۔

۹۱۔ ڈاکٹر رشید ارشد ایڈوکیٹ

ڈاکٹر صادق سے اج پہلی مرتبہ ملنے کا موقع ملا انکی ہمہ جہتی صلاحیتوں اور ادبی و شعری خدمات اور ادبی خدمات کو جان کر بھی بہت خوش ہوئے۔ صادق صاحب ادبی شمع جلائے رکھنے کی حتی المقدور کوشش کررہے ہیں۔

ادبی حلقہ میں جدتی اونچ نیچ سے بے نیاز ہو کر شاعروں اور سمپوزیم منعقد کر کرادی خدمات

انجام دے رہے ہیں ۔ اللہ کرے کے جذبہ صادق اور زیادہ ۔

۹۲ ۔ ڈاکٹر محمد علی اثر ریڈر و صدر شعبہ اردو ویمنس کالج حیدرآباد

حیدرآباد عہد قدیم ہی سے اردو زبان و ادب کا گہوارہ رہا ہے ابھی اس شہر میں شاید ہی کوئی دن ایسا ہو گا جب کوئی مشاعرہ یا ادبی محفل منعقد نہ ہوتی ہو ۔ مختلف ادبی ادارے اور انجمنیں اردو کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں یہاں سرگرم عمل ہیں ۔ انھیں اداروں اور انجمنوں میں سے ایک ادارہ ادب صادق ہے جو ہر ماہ بہ پابندی مشاعروں اور ادبی اجلاسوں کا اہتمام کرتا ہے ۔

مجھے بھی اس ادارے کے بانی جناب خواجہ فریدالدین صادق سے تفصیلی ملاقات کرنے اور اردو زبان کے سلسلہ میں ان کی کاوشوں سے آگاہی حاصل کرنے کا موقعہ ملا ۔ بڑی خوشی ہوئی ۔

اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

۹۳ ۔ پروفیسر مرزا اکبر علی بیگ ،صدر شعبہ اردو سکندر باد کالج

مجھے آج اس مقام پر آکر بے حد مسرت ہو رہی ہے ۔ ہم لوگ روایتاً مردہ پرست واقع ہوئے ہیں اسلئے ۔ ہم نے کسی ادیب یا شاعر کی اس کی زندگی میں قدر کرنا سیکھا ہی نہیں (ادارہ ادب صادق) کے روح رواں ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق قابل مبارکباد ہیں کہ اس مردہ پرستی کے دور میں اردو ادب کی خدمت کر رہے ہیں ۔ میں ان کا سپاس گزار ہوں کے انھوں نے ڈاکٹر اثر کی خدمات کا سب سے پہلے اعتراف کیا ہے ۔

اندھی و سچی محبت

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق
ریسرچ اسکالر

ڈاکٹر نواز شہر کے ممتاز ڈاکٹروں میں سے تھے شاہی گھرانے سے تعلقات تھے ۔ شاہی گھرانوں کے فیملی ڈاکٹر بھی تھے اثر رسوخ رکھتے تھے بہت ہی ملنسار اور شریف النفس تھے ۔ اکی ایک بیحد خوبصورت لڑکی ناز جو نازوں میں پلی تھی اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکی تھی اسے بہت سے رشتے آرہے تھے مگر ڈاکٹر صاحب ابھی کم عمر کیہ کر ٹال دیتے تھے ۔ لڑکی بیحد پڑھی لکھی خوبصورت اتنی کہ چاند بھی شرما جائے تیز اتنی کہ چاقو کی دھار بھی نہ ہو شوخ اتنی کے چہرے پر شوخی ٹپک پڑتی تھی باتیں بہت دلچسپ کرتی تھی اور خاص طور سے مسکرانے کا انداز اور مسکراتے وقت اسکے گالوں میں جو ہلکے سے گڑھے پڑھتے تھے وہ دلوں کو گدگدا دیتے تھے ۔

ڈاکٹر صاحب کے بہت سے طالب علم گھر آکر ان سے مشورے کرتے تھے اور کچھ سبق بھی لیا کرتے تھے اور تقریبا ہر کوئی اس لڑکی کا دیوانہ تھا لڑکی تھی ہی ایسی کے ہر نوجوانوں کا دل آجائے تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی ڈاکٹر صاحب کے طالب علموں میں ایک طالب علم جسکو ڈاکٹر صاحب بھی بہت پسند کرتے تھے ہمت کرکے اپنے بزرگوں کے ذریعہ اس لڑکی کیلئے اپنا پیام بھیجایا ڈاکٹر صاحب اپنے شاگرد سے بخوبی واقف تھے انھوں نے فوری ہاں کردی ۔

بس پھر کیا تھا دھوم دھام سے شادی ہوئی ۔ لوگ خوشیاں مناتے ہوئے دلھن کو دولھے کے کمرے تک پہنچادیئے ۔

دولھا جب اپنی ارزو کو اور ارمانوں کو گلے لگانے آگے بڑھا تو اسے دلھن کی طرف سے وارننگ دی گئی کہ اگر آپ مجھے ہاتھ بھی لگائینگے تو پھر اپنی موت کے آپ ذمہ دار ہونگے ۔

دلھا بے چارہ حیران ششدر اور ساکت سا اسکی گفتگو سنتا رہا لڑکی نے کہا کہ میں ہمارے ڈرائیور حق سے محبت کرتی ہوں میری شادی زبردستی کی گئی مجھے یہہ کہا گیا کے اگر میں شادی نہ کرونگی تو میرے والد ڈاکٹر نواز خودکشی کر لینگے ۔ اب چونکہ شادی ہوگئی ہے

یں نے شادی کر کہ اپنے باپ کو مرنے سے بچا لیا میرا وعدہ پورا ہوا جو میں اپنے باپ سے کیا
تھا۔ اب مجھے دوسرا وعدہ نبھانا ہے جو میں نے حق سے کیا ہے۔ میں تم کو بتادوں کے میں
ق سے سچی محبت کرتی ہوں میرا جسم میری جان اور میری ہر سانس پر اسکا اور صرف اسکا حق
ہے۔ نوشہ پریشان تھا کیا کریں کیا نہ کریں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس نے شاہد حق کو ایک دو
ر دیکھا تھا حق جو بے انتہا بدصورت بلکل ان پڑھ جاہل خاندان کا کوئی پتہ نہیں اتنا ہی اسے
علوم تھا اسے حیرت تو اس بات کی تھی کے اخر ناز نے اسے کیوں پسند کیا اور محبت کی۔
لن کہتے ہیں نہ کے دل جس پر آگیا بس آگیا۔ اسی لئے تو محبت اندھی ہے کہتے ہیں۔ پھر
بت سچی ہوتی ہے یہ۔ تو بس بہت کم دیکھا ہے آج ناز نے ثابت کر دیا کہ محبت نہ صرف
ندھی ہوتی ہے بلکہ سچی بھی ہوتی ہے اور محبت رنگ و نسل مزہب و مرتبہ ادنی و اعلی سے
یں زیادہ بلند ہوتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب (نوشہ) اپنی دلھن کے اس جذبہ کی قدر کرتے ہوئے اسکو سمجھانے اسکی
ف دو قدم آگے بڑھتے ہیں لیکن دلھن فوری پستول نکال لیتی ہے اور ڈاکٹر صاحب وہیں
تے میں ٹھیر جاتے ہیں دلھن یہ کہتے ہوئے کے میں جارہی ہوں اگر آپ آواز نکالینگے تو میں
پ کو shoot کر دونگی اسطرح لوگ ابھی جاگے ہوئے ہی تھے کچھ سو گئے تھے دلھن کھڑکی میں
ے کود کر پیچھے کے راستے سے فرار ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب کو کچھ نہیں سدھرا اور وہ بستر پر پڑھکر نہ
نے کب سو گئے۔ صبح جب دروازہ کھٹکایا گیا تو بہت دیر کے بعد نوشہ دروازہ کھولے دلھن
ے بارے میں دریافت کیا گیا کے وہ کیاں ہیں نظر نہیں آرہی ہیں تو ڈاکٹر صاحب نے سارا
قعہ سنایا دلھن والے پریشان تھے انکے کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا تھا آخر میں دلھن کے والد کے
نے کی خبر آئی تو اور بھی ماتم چھا گیا۔

دراصل دلھن بھاگ کر اپنے گھر گئی دلھن کے والد صاحب چونکہ پریشان تھے انھوں نے
ٹ کی آمد کا مطلب سمجھ لیا اور انکے دل پر دورہ پڑا اور وہ چل بسے۔

کچھ دنوں کے بعد حق نوشہ کے گھر آیا اور طلاق کے کاغزات پر دستخط کا مطالبہ کیا جس پر
ٹر صاحب فوری طلاق دے دیتے اور حق کو خوش قسمت شخص کہہ کر گلے لگا لیا۔

ادھر طلاق ملتے ہی حق اور ناز کی شادی ہو گئی ادھر ڈاکٹر صاحب کے رشتے کی ایک بہن سے
ٹر صاحب کی شادی ہو گئی آج دونوں جوڑے بھی خوش ہیں۔ کچھ دنوں بعد ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ دو
ں کو چھوڑ کر اس دنیا سے چل بسی۔ ادھر حق اور ناز کے بھی کئی لڑکے لڑکیاں ہوئے۔ اب
ب خوش ہیں۔ محبت اندھی اور سچی ہوتی ہے اسکا اس سچے واقعہ سے تصدیق ہوتی ہے۔

ہوتی ہے نا! ------------

قربانی

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق

ریسرچ اسکالر

محمود ایک غریب گھر میں پیدا ہوا تھا۔ جب سے آنکھ کھولی غربت کی چادر ہی اوڑھنے کو ملی۔ ذرا ہوش بھی نہیں سنبھالا کے والد جو ایک سیکل کی دوکان میں منشی کا کام کرتے تھے چل بسے سات (۷) بہنوں کا وہ ایک اکیلا بھائی تھا۔

ماں ایک وجہ اولاد کی زیادتی دوسرے شوہر کی بیماری تیسرے معاشی بحرانی سے پریشاں ہو کر ایک گھر میں پکوان پر ملازمت، برتن دھونے اور کھانا پکانے کی نوکری اختیار کرلی تھی۔ گھر میں جو کچھ بھی ملا اپنے مالک کے گھر سے لاتی دو دو لقمے کھاکر سو جاتے حلانکہ محمود کی ماں کو کھانا وہیں کھانے کے لئے کہا جاتا جہاں وہ کام کرتی تھی مگر وہ کیسے کھاتی جب کے گھر میں بچے فاقہ کررہے ہوں۔ وہ کسی نہ کسی بہانے سے وہاں نہ کھاکر کھانا مانگ کر گھر لاکر کھاتی۔

وقت گزرتا گایا حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ بچے بڑے ہونے لگے۔ لڑکیاں سن بلوغ کو پہنچے لگیں لوگوں کی نظریں محمود کے گھر کا طواف کرنے لگیں کئی بدنیت لوگ محمود کی بہنوں پر فقرے کستے اور پیسے اور نوکری وغیرہ دلانے کے بہانے اسکا استحصال کرنے کی کوشش کرتے۔ غربت اتنی تھی کہ پڑھنے پڑھانے کے بارے میں یا اسکول کو بچوں کو بھیجنے کے بارے میں خواب میں بھی نہیں سوچا جاسکتا تھا۔

ادھر محمود بھی ایک دوکان میں ماہانا 300 روپے پر نوکری اختیار کرچکا تھا۔ محمود کی بڑی بہن ملکہ جو واقعی حسن کی ملکہ تھی باوجود غربت کے بہت اچھے ہاتھ پیر نکالی تھی اسکو کئی باہر کے لوگ جو عربستان، ابودھابی وغیرہ سے آنیوالوں کے Agents تھے وہاں کے بوڑھوں سے شادی کرنے کی پیش کش کی۔ جس کے بدلے میں ملکہ اور محمود کی ماں کو کئی ہزار روپے دینے تیار تھے۔ محمود نے سختی سے انکار کیا۔ اسکی ماں نے بھی ان رشتوں کو دھتکار دیا۔

ملکہ جو کہ بہت حساس تھی اپنی ماں کی مجبوری اور بھائی اور بہنوں کی مفلسی سے بہت

متاثر تھی۔ وہ یہ اچھی طرح جانتی تھی کے اسکی شادی بغیر جہیز و جوڑے کی رقم کے ہر گز نہیں ہوگی پھر غیر شادی شدہ رہنا اور کسی بوڑھے کے ساتھ شادی کرنے میں کیا فرق پڑجائیگا۔ اس نے سوچا کے کوئی نوجوان مجھ سے بغیر جہیز کے شادی نہیں کریگا اور اگر کوئی عرب بوڑھا جو اسکے نانا یا دادا کے عمر کا ہو۔ وہ میری ماں یا بھائی کو پیسے دیکر شادی کریگا۔ دونوں حالات میں میرے لئے کوئی خاص فرق نہیں پڑھیگا۔ لیکن اتنا ضرور ہےکہ کسی بوڑھے شادی کرنے سے کم از کم میرے ماں اور بھائی بہنوں کے حالات سدھر جائینگے معاشی بحران دور ہوگا اسکے لئے مجھے قربانی دینا ضروری نہیں بلکہ فرض ہے۔ بس جب اس نے یہ طے کر لیا تو پھر اپنی ایک سہیلی جو پہلے ہی ایک بوڑھے عرب سے شادی کر چکی تھی اسکی مدد سے Agents کو بلواکر اپنے ماں باپ کو منواکر ایک 75 سالہ عرب شہری سے عقد کر لیا۔

ویسے تو وہ پورے جسم پر لال جوڑا پہنی ہو دلھن نئی نظر آرہی تھی لیکن اسکی آنکھوں سے قربانی کے خون کے آنسو بہتے ہوئے کسی کو نظر نہیں آرہے تھے۔ عرب سے شادی کر کر اس نے اپنے جذبات جسم جوانی، احساسات، آرزو اور ارمان کی قربانی دی اور اسی قربانی کے نتیجے میں محمود کے گھر کے حالات معاشی طور پر ٹھیک ہوئے لیکن ذہنی انتشار میں سارا گھر بتلا ہوگیا۔

یہ قربانی ملکہ کی نہیں بلکہ ہمارے ملک کے کئی حسن و جمال اور جوانی کے ملکاؤں کا مقدر بن چکی ہے ملکہ کیسطرح بہت سی لڑکیاں قربانی کی بھینٹ چڑھ رہی ہیں۔ قربانی جہیز کے ہو یا غربت کی یا پھر فرض کی یا پھر مجبوری چاہے وجہ قربانی کچھ بھی ایک نوجوان جسم کے جذبات، آرزو اور امنگ اسکی بھینٹ چڑھ رہے ہیں۔ ملکہ کو اگر کوئی بغیر جہیز کے اپناتا محمود کو اگر پڑھاتا لکھاتا اور اسکی بہنوں کو کوئی دو وقت کی روٹی کا انتظام کرتا تو آج ملکہ قربانی کے لئے مجبور نہ ہوتی۔

ہمشکل مردہ

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق
ریسرچ اسکالر

شہر کے ایک مشہور دواخانے میں جب ورثاء اپنے ایک قریبی رشتہ دار کی لاش لینے کے لئے پہنچے تو انکو ایک دوسری لاش حوالے کی گئی لاش چونکہ پہلے سے سڑ گل چکی تھی پوسٹ مارٹم سے اسکی میت اور بھی بگڑ چکی تھی خود قریبی رشتہدار بھی اسکو نہیں پہچان سکے اور گھر لاکر شمشان گھاٹ لے گئے جہاں اسکے آخری رسومات ادا کیجانیکی تیاری مکمل کی جاتی تھیں ۔ اسی اثناء میں مرحوم کے والد ، والدہ جو دوسرے گاؤں میں رہتے تھے R.T.C. بسوں کی کتاخیر کیوجہ سے دیر سے پہونچے گھر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ شمشان گھاٹ چلے جائیں کیونکہ مردہ وہاں پہونچایا گیا ہے ۔ بہر حال جب ماںباپ غم سے نڈھال اپنی نوجوان لڑکی راہلماں کو جو چند ماہ پہلے ہی دلہن بن کر اس گاؤں میں آئی تھی دیکھنے چلے گئے ۔ وہاں جاکر جب ان لوگوں نے لاش کو دیکھا تو پہلی نظر میں ہی انکو کچھ شک ہوا والد تو نہیں البتہ والدہ نے کہا کہ یہ راہلماں کی لاش نہیں ہے یہ کوئی اور ہے پھر ماں نے چہرہ کے علاوہ اسکے کان کے پیچھے ایک لولکی دکھائی جو بالوں میں چھپی ہوئی رہتی ہے لیکن اس وقت کسی طرح نظر آگئی بال ہٹنے کیوجہ سے اور کہا کہ راہلماں کو اس طرح کی لولکی (گوشت کا لوتھرا) کان کے پیچھے نہیں تھی لہزا یہ لاش راہلماں کی نہیں ہے ۔ بس پھر کیا تھا کہ سب کے سب لوگ دواخانے والوں کی لاپرواہی پر برہم ہوکر اس لاش کو لے گئے اور R.M.O. صاحب سے شکایت کی جس پر R.M.O. صاحب نے خود مردہ خانے کے اسٹاف پولیس اور دوسرے ڈاکٹر کی اعانت سے اصلی راہلماں کی لاش حوالے کی ۔ لوگ برہم اور غمزدہ تو تھے ہی بہت لعن طعن کئے اور پھر راہلماں کی لاش کو لاکر اسکو جلایا گیا اور آخری رسومات ادا کئے گئے ۔

R.M.O. صاحب نے راہلماں کے ماںباپ اور رشتہ داروں سے کہا کہ بھائی دواخانے میں روز آنہ جلنے اور جھلنے کے کئی کیسیس Cases آتے ہیں لاشیں بری طرح جلی ہوئی ہوتی ہیں ان میں کچھ نوجوان لڑکیوں کی ہوتی ہیں جو جہیز کی لعنت کیوجہ سے جلائی جاتی ہیں ساری کی کساری ہم عمر اور درمیانی طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں اسلئے ان میں تھوڑی بہت

مشابہت ہونے سے ایسی غلطی ہو جاتی ہے ۔ بہر حال پولیس، ڈاکٹراور رشتہ دار بھی دھوکہ کھاجاتے ہیں ۔ جسکاآخری وقت آگیاہو میرامطلب ھیکہ جس کا کریاکرم کا وقت آگیاہو بس سمجھ لو کہ اسکا کریاکرم ہوجاتا ہے ۔ جسطرح خدانے مرنے کا وقت مقرر کردیاہے اسطرح مردہ کب جلے گا ۔ کہاں جلے گا اور کس وقت جلے گا یا پھر کب دفن ہوگا کہاں دفن ہو گا انکے اخری رسومات کا وقت کیا ہو گامقرر کر دیاہے ۔ بس انسانی عقل دنگ رہجاتی ہے جسکاکریاکرم نہیں ہونا چاہئیے اسکاہوجاتا ہے ۔ یہ قدرت کے اصول ہیں جہاں انسان بے بس ہے ۔ R.M.O. صاحب کی اس موثرتقریر سے متاثرہوکرسارے لوگ پرامن طریقہ سے منتشر ہوئے اور رالمماں کی لاش کاکریاکرم کیاگیا۔ وہ جو دوسری لاش یعنی "ہمشکل مردہ" واپس آئی تھی اسکو R.M.O. صاحبکے حکم سے پھر مردہ خانہ میں محفوظ کردیا گیا۔ دواخانوں میں سرکاری محکمہ کے مطابق ایک مدت تک مردے رکھے جاتے ہیں اس کے بعد ان کی تدفین اجتماعی یا پھر جلانے کی رسم ادا کردی جاتی ہے ۔ "ہمشکل مردہ" یعنی اس لاش کی بھی مدت ہوجانے پرکوئی وارث نہ آنے پر R.M.O. صاحب کے حکم سے اس کو بھی نذر آتش کردیا گیا ۔ یعنی اس کا بھی وقت آگیا تھا۔

سانسیں زہر بھری

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق

دو وظیفہ یاب بزرگ آپس میں پارک میں بات چیت کر رہے تھے دوران گفتگو دوسرے مسائل کے ساتھ ساتھ آج کا سب سے اہم مسئلہ آلودگی بھی زیر بحث آیا۔

جناب خالد صاحب ریکارڈ ڈپٹی کلکٹر اور جناب رالمو صاحب لکچرر سائنس میں گفتگو ہو رہی تھی۔ خالد صاحب نے کہا کہ مجھے ریٹائیرڈ ہو کر ۱۵ سال کا عرصہ ہو گیا ہے۔ میں جب دورہ پر جاتا تھا تو اکثر و بیشتر شروع شروع میں بیل بنڈیوں کا انتظام رہا کرتا تھا پھر بعد میں یکے نے اسکی جگہ لی اور اسطرح میرے ریٹائرڈ ہونے تک جیپ گاڑی میں دورے ہوا کرتے تھے۔ لیکن جب ہم جیپ گاڑی میں سفر کرتے تھے تو یقیناً منزل پر جلد تو پہنچتے تھے مگر طبیت میں رفتار کی وجہ سے جو ارتعاش ہوتا اور پھر فضاء میں جو آلودگی ہوتی تھی اس سے دم گھٹنے لگتا تھا میں پرانے یکے اور بیل گاڑی کو ترجیح دیتا مگر کام کا بوجھ اور وقت کی کمی نے مجھ کو جیپ کا استعمال پر مجبور کر دیا۔ انکی بات سن کر رالمو صاحب نے جو سائنس کے ایک بہترین لکچرر تھے اپنے زمانے کے کہا کے جناب والا آپ جانتے ہیں کہ وقت کی کمی اور کام کی زیادتی آج انسان کی زندگی کو مختصر کرتی جا رہی ہے۔ خالد صاحب نے کہا کہ میں آپکی بات برابر نہیں سمجھ سکا اس تیز اور ترقی کے دور میں انسان اپنی زندگی کیسے کم سے کم کر رہا ہے ذرا واضح طور پر بتائیے۔

جس پر رالمو صاحب نے کارخانے سے نکلے ہوئے دھوئیں۔ جلتی لاشوں سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کارخانوں میں زہریلی گیسوں کا چمنیوں سے اخراج کیوجہ سے آج ہم یہاں اس چمن میں بھی صاف ستھری آکسیجن سے بھری ہوئی ہوا نہ لے کر کاربن ڈائی اکسائیڈ اور سلفر اور کیمیکلس سے متاثر شدہ زہریلی گیس اپنے پھپھڑوں میں جذب کرنے پر مجبور ہیں۔ یا اس ہر سانس میں اب زہر گھلا ہوا ہے۔ سانس ہم کو ہماری قبر تک لے جانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ ہر سانس جو ہم لے رہے ہیں وہ زہریلی ہے کیوں کہ اس میں زہریلے مادے جمع ہو گئے ہیں۔

خان صاحب نے ان کو ٹوکتے ہوئے کہا کہ میاں تمہارے خیال میں ہمیں سانس نہیں لینا چاہئے۔ جس پر رامو صاحب نے کہا کہ وہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے آپ ایک منٹ بھی سانس نہ لے تو مر جائیں گے۔ خان صاحب نے کہا کہ تمہارا مطلب یہ ہے کہ اگر ہوا میں زہر میں بھرا ہوا ہے بھی تو ہم سانس لیں ہم زہر بھری سانس لینے پر مجبور ہیں کیوں کہ ماحول گندہ ہے وہ کب پاک ہو گا خدا بہتر جانتا ہے پاک اور ہم لوگ صاف ستھری ہوا میں کب سانس لے سکتے ہیں۔ یہ بھی نہیں معلوم خان صاحب نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا کہ "سانس زہر بھری ہمارا مقدر بن چکا ہے۔

"وفادار عورت"

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق
ریسرچ اسکالر

چاند پور کے پٹیل صاحب اپنی نیک نامی اور کام میں مساوات و ایمانداری کی وجہ سے پڑوسی گاؤں میں بھی شہرت رکھتے تھے ۔ تحصیلدار صاحب تک بلکہ ڈپٹی کلکٹر صاحب بھی ان سے بہت متاثر تھے ۔ انکے یہاں ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی پیدا ہوئی جسکو دیکھ کر لوگ بہت تعریف کیا کرتے تھے ۔ اسکا نام حسینہ رکھا گیا تھا نام کے مطابق وہ واقعی بہت حسین تھی گورا رنگ سرو قد کی مالک، تیکھے نقوش اور اسکی آنکھوں میں ایک عجیب سانشہ یہ دیکھنے والا محسوس کرتا تھا۔ حسینہ جب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھی تو اسکو بہت سے رشتے آنے لگے گاؤں کے لوگ اسکو اپنی بہو بنانے پر شرطیں لگانے لگے کہ حسینہ میری بہو بنیگی وغیرہ وغیرہ۔ ادھر حسینہ کے باپ کے پاس مفلوک حالی ہونے کی وجہ سے شادی کی طرف خیال ہی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ گاؤں کے لوگ بغیر جہیز کے شادی کرنے آمادہ نہیں تھے ۔ حسینہ بھی اپنے حسن کو دیکھ دیکھ کر بہت مایوس ہوتی تھی کہ نام حسینہ لوگوں کے مطابق ہوں بھی حسین مگر کیا کوئی اس حسینہ کو بغیر جہیز دہیز کے نہیں اپنائیگا۔ کیا میرا حسن میرا دشمن بن جائے گا اور لوگ مجھے ہمیشہ غلط نظروں سے دیکھا کرینگے وہ خدا سے گڑگڑا کر دعا کرتی کہ یارب کوئی ایسا شخص بھیج کہ جو مجھے بغیر جوڑے کی رقم اور جہیز کے اپنالے ۔ خدا اسکی دعا شاید قبول کرلیا۔

دوسرے ہی روز پٹیل صاحب کے ایک دوست جو عرصہ دراز سے شہر منتقل ہوگئے تھے ان سے ملنے آتے ہیں بحر حال وہ جیسے ہی اس لڑکی کو دیکھتے میں پوچھتے ہیں کہ یار یہ لڑکی تمہاری دختر حسینہ ہی ہے نہ تو پٹیل صاحب کہتے ہیں ہاں انکے دوست نے کہا کہ اتنی مایوسی سے کیوں جواب دیتے ہو تم کو تو فخر کرنا چاہئے اور خوش ہونا چاہئے کے اس خوبصورت لڑکی کے تم باپ ہو۔ پٹیل صاحب کہتے ہیں کہ ہاں بھائی مگر باپ ہوں اسلئے تو اسکی شادی کی فکر میں ہوں ۔

شادی کون کرے گا اس سے شادی بغیر لین دین و جہیز کی رقم کے پٹیل صاحب کے

دوست جو پہلی نظر میں ہی حسینہ کو اپنے لڑکے کے لئے منتخب کر چکے تھے کہا کے اگر تم مناسب سمجھو تو میرا ایک لڑکا شہر میں پولیس انسپکٹر ہے راست بھرتی ہولی ہے ۔ اور ذرا اچھے نقوش کا مالک بھی ہے جسطرح حسینہ کے ہیں ۔ پٹیل صاحب نے کہا کہ بھائی مرد میں صورت یا رنگ نہیں بلکہ اخلاق کردار تعلیم ذمہ داری کا احساس رکھنے والا خاندان وغیرہ کو اہمیت دی جاتی ہے مگر پھر بھی میں حسینہ سے پوچھکر بتاونگا ۔

پٹیل صاحب اپنی بیوی صاحبہ سے ذکر کر کے میں پوری تفصیلات سنا کر حسینہ سے اسکی مرضی تلاش کرنے کہتے ہیں ۔ حسینہ اپنی ماں کے پوچھنے پر کہتی ہے کہ ماں مجھے کوئی شریف مرد چاہیے چاہے وہ کالا ہو یا پھر معذور ہی کیوں نہ ہو کیونکہ دونوں بھی باتوں میں خدا کی مرضی شامل ہوتی ہے ۔ ایسے شخص کو اپنانے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں بلکہ خوشی ہوگی اگر ہر کوئی کالے اور معزور شخص کو ٹھکرائے گا تو پھر ان سے شادی کون کرے گا ۔ ماں تم ہی بتاؤ کسی کا کالا رنگ ہونا گورا ہونا یا پھر اچھا ہونا یا معزور ہونا اسکے ہاتھ میں ہے ۔ یا یہہ سب تقدیر کی بات ہے ۔ حسینہ کے حسین خیالات سن کر ماں بہت خوش ہوئی بازو کمرے میں انکے والد بھی پوری گفتگو انکے دوست کے ساتھ سن رہے تھے گھر چھوٹا تھا اسلئے آواز صاف آرہی تھی اور دونوں کے سر فخر سے اونچے ہوگئے ۔

شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں اور دھوم دھام سے شادی ہوئی مگر کوئی لین دین یا جہیز کے بغیر ۔

حسینہ گاؤں سے رخصت ہو کر اپنے شوہر کے گھر پر آگئی ۔ اور چند روز میں وہ نہ صرف شوہر کا بلکہ تمام سسرال والوں کا دل جیت لی ۔

ایکبار کا واقعہ ہے کہ انسپکٹر صاحب جب دورے پر گئے ہوئے تھے تو انکے ایک رشتہ کے بھائی جو دل ہار چکے تھے حسینہ کو دیکھکر تنہائی سے فایدہ اٹھا کر حسینہ سے دست درازی کرنے لگے حسینہ نہ ہمت سے کام لے کر انکے چہرے پر طمانچہ رسید کیا اور کہا کہ فوری گھر چلے جایں اور پھر کبھی نہ آیں حسینہ کے طمانچہ رسید کرتے ہی وہ صاحب سنبھل گئے انکو اپنی غلطی اور نیک نامی کے متاثر ہونے کا خوف کچھ اتنا چھایا کہ وہ حسینہ کے پیروں سے لپیٹ گئے اور معافی کی درخواست کرنے لگے حسینہ نے کہا کہ وہ معاف ضرور کرے گی کسی اور سے کہے گی بھی نہیں مگر اپنے شوہر سے ضرور کہونگی اگر میرے شوہر تمکو معاف کردیں تو انکی مرضی ورنہ تم میرے اور انکے دونوں کے گنہگار ہو اور میں یہہ بات اپنے شوہر

سے چھپا کر بے وفا عورت نہیں بننا چاہتی۔
کچھ روز بعد حسینہ کے شوہر گھر آئے انکو اچھے موڈ میں دیکھکر حسینہ نے سارا واقعہ سنایا انکے شوہر بہت سمجھدار تھے انھوں نے کہا کہ تم اتنی حسین ہو کے تم کو کوئی بھی پانا چاہے گا۔ میرا جو بھائی تمہارے ساتھ دست درازی کیا ہے وہ ذرا کم زور دل کا ہے اسطرح کی حرکت کر بیٹھا ویسے وہ بہت اچھے کردار کا مالک ہے۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہوا اور شیطان اور تمہارے حسن کے بہکاوے میں آگیا میں آج ہی اس سے جا کر ملتا ہوں۔ حسینہ نے کہا کہ میں ساتھ چلونگی۔ بحرحال دونوں میاں بیوی جیسے ہی وہاں پہنچے وہ شخص پہلے تو کچھ سمجھ نہ پایا اور آنکھ نہ ملا کر سر نیچے کر کر شرمسار کھڑا سوچ رہا تھا کہ نہ جانے اسکے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا حسینہ کے شوہر نے خیریت دریافت کی تو وہ رو پڑا اور پیروں سے لپیٹ کر معافی مانگنے لگا۔ دونوں میاں بیوی نے اس کو معاف کر دیا۔ حسینہ کے شوہر نے کہا کہ حسینہ نے معاف کیا اس لئے میں نے معاف کیا۔ اس پر انکے بھائی نے کہا خدا ہر ایک کو ایسی باوفا بیوی عطا کرے (آمین)

مستقبل کو کیسے سنواریں

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق
صدر ادارہ ادب صادق
پرنسپل سینٹ صادق ہائی اسکول
ریسرچ اسکالر

آیئے مستقبل کی بات کرنے سے پہلے ہم ماضی اور حال کے بارے میں بھی بات کرلیں کیونکہ ہر مستقبل ماضی اور حال سے مبترہ نہیں رہتا۔ ایک کہاوت ہے۔

"ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

میرا مطلب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ کس طرح ماضی اور حال مستقبل سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ مستقبل کوئی خیالی یا تخئیل کا نام نہیں ہے۔ ہم کو اپنے ماضی حال کا گہرائی سے جائزہ لیتے ہوئے اس کے بارے میں سوچنا ہے۔

تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب تکماضی کی کوتاہیوں کو دور نہ کیا جائے اور حال میں مستقبل کا لائحہ عمل نہ تیار کیا جائے مستقبل کو سنوارنا نہ ممکن ہے۔ انسان ہمیشہ اس بات کا متلاشی ہے کہ وہ موجودہ حالات۔سے ہٹ کر اور بہتر طریقہ سے اپنی زندگی گزارے لیکن صرف خیال سے یا سوچنے سے کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی اس کو حاصل کرنے کے لئے کڑی جدوجہد ڈسپلین، لائحہ عمل متواتر کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلا اگر کوئی ایک ڈاکٹر بننا چاہتا ہے تو اس کو شروع ہی سے میری مراد انٹرمیڈیٹ سے ہی کوشش کرنی پڑتی ہے اور اپنے آپ کو اعلی طالب علم بناکر مسابقتی امتحانوں میں کامیاب ہوکر خیالوں میں دیکھے ہوئے اپنے خوابوں کی تعمیر کو پوری کرسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ماضی میں اس سے جو غلطیاں سرزد ہوئی تھیں

جو کوتاہیاں اس سے اپنے Status میں ہورہی تھیں اس کو دور کرکے ہی حال کو بہتر بناکر مستقبل کو سنوارا جاسکتا ہے یہاں پر میں ایک شعر جو مجھے یاد آرہا ہے وہ یہ ہے

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

یہ بات بالکل سچ ہے لیکن اللہ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اپنے مستقبل کو بہتر بنانا ہو اور اپنے مستقبل کو بنانا ہو تو تم کو کوشش کرکے محنت کرکے ہمت کے ساتھ وہ جہد

مسلسل ساتھ کے قربانی کے زینوں کو طے کرنا ہوگا۔ تب ہی جاکر تمھیں منزل مقصود مل جائے گی۔ کام کرنا ہی کامیابی ہے۔ کام کرتے رہنا ہی مستقبل کو سنوارتا ہے۔ اب یہ بات آپ پر واضح ہوگئی ہوگی کہ مستقبل کو کس طرح سنوارا جاسکتا ہے۔ پھر بھی چند نکات درج ذیل ہیں۔

(۱) مستقبل کے معنے سمجھنا (۲) ماضی اور حال کو پیش نظر رکھنا (۳) اپنی کوتاہیوں کا جائزہ لینا (۴) عمدہ اور بہترین لائحہ عمل یا پلاننگ کرنا (۵) مشکلات سے نمٹنے کا جذبہ رکھنا (۶) ہوائی قلعے بنانے سے احتراض کرنا Directoion Self Confidence Intermination (خود اعتمادی) اور مفید مشوروں کو حاصل کر اور قابل عمل ہوں تو ان پر عمل کرنا۔ صدق دل سے محنت کرنے کے بعد خداوند اعلیٰ مقام و برتر عالی سے اسکے حضور میں مقصد پانے کی دعا کرنا۔ ان باتوں اگر ملحوظ رکھا جائے تو میں نہیں سمجھتا کہ مستقبل کو سنوارا نہیں جاسکتا۔

آخر میں میں یہ ہی کہوں گا کہ مستقبل کوئی بہتاوا یا نہیں ہے جس کو ایک باڑھ باندھ کر روک دیا جائے۔ مستقبل کوئی سمندر بھی نہیں ہے جس کی ہم حد بندی کردیں۔ مستقبل کوئی خیال و گمان بھی نہیں جس کو آنکھ بندھ کر کے سوچیں
مستقبل ایک شخص کی موجودہ زندگی سے چھلانگ لگاکر اس سے بہتر زندگی کے میدان میں قدم رکھنے کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ ہم اندھیرے میں چھلانگ نہیں لگا سکتے۔ اس لئے مستقبل کو ایک شخص کو سنوارنا۔ اپنے آپ کا جائزہ لینا ہے اپنے آپ کو بہتر بنانا ہے تاکہ آنے والے وقت میں اپنے آپ بہتر شخص ثابت ہو آج سے بہتر کل کی زندگی ہو۔

ہر گام یہ تھک کے نیلوں بیٹھ مسافر
ہر گام تیرے سوچ کی منزل نہیں ہوتی
مشکل کو اگر سمجھے گا مشکل تو ہے مشکل
ورنہ کوئی مشکل کبھی مشکل نہیں ہوتی

(صادق)

کیا کمایا کیا گمایا

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق ریسرچ اسکالر
صدر ادارہ ادب صادق
پرنسپال سینٹ صادق ہائی اسکول

حیدر ایک بہت ہی ہونہار لڑکا تھا تعلیمی دور سے ہی وہ کچھ کر دکھانے کا عزم رکھتا تھا لیکن اسکے ان عزائم کو اسوقت دھکا لگا جب جس گھر میں وہ رہتا تھا اسکو خالی کرنے کا نوٹس آگیا۔ دراصل انکے والد صاحب نے حیدر کی بہن کی شادی کے لئے وہ گھر رہن رکھا تھا وقت پر قرضہ ادا نہیں ہو سکا تو زمین دار نے قرض کے عدم ادائگی پر مکان خالی کرنے کی تکمیل پولیس سے کرادی۔ بے سہارا بے آسرا حیدر انکے بہن کے گھر گئے جہاں پر کچھ دنوں بعد انکے سسرال والے اعتراض کرنے لگے تو ایک کمرہ کرایہ پر حاصل کیا جسمیں حیدر بڑی مشکل میں اسوقت پڑگیا جب انکے والد ماجد کے دونوں پیر ایک حادثے میں بے کار ہوگئے۔

بے چارہ حیدر اپنے خاندان کا بوجھ اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھانے پر مجبور ہوگیا۔ دن میں اسکول جاتا اور 4 بجے کے بعد کچھ ٹیوشن وغیرہ کرتا اور ہر اتوار اور تعطیل کے روز پرانے سامان کے دوکانوں سے سامان خرید کر انھیں بیچنے بازار میں دوکان لگاتا۔ مختلف کاروبار وغیرہ کرتے کرتے وہ میٹرک کامیاب ہوگیا پھر کسی طرح انٹر بھی کامیاب ہوگیا۔ اب گھر کے اخراجات بہت بڑھ گئے تھے۔ بہنیں بڑی ہوگئی تھیں۔ ان کی شادیوں کا سوال تھا۔ وہ بہت مایوس ہوگیا تھا کہ اب کیسے ان مسائل کو حل کیا جائے۔ اس کے ایک دوست کے والد باہر سے آئے ہوئے تھے۔ وہ جب حیدر کو دیکھے تو بولے "میاں تم کچھ پریشان نظر آتے ہو؟" جس پر حیدر نے اپنی ساری کہانی ان کو سنائی تو وہ بولے "ہاں مجھے تمہارے حالات کا کچھ کچھ پتہ ضرور تھا۔ میں دیکھوں گا کہ تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں"۔ جب وہ باہر جانے لگے تو حیدر ان سے ایک بار پھر ملنے آیا مگر کچھ کہا نہیں حیدر کے دوست کے والد سب کچھ اس کے چہرے سے پڑھ لیتے تھے۔ لہذا وہ باہر جاکر فوری ایک ویزا اپنے لڑکے کے لئے اور ایک حیدر کے لئے روانہ کئے لیکن ساتھ ساتھ حیدر کو ایر لائنس کی ٹکٹنگ اور ٹائپ رائٹنگ سیکھنے کو بھی کہا۔ دونوں دوست چار ماہ کے اندر دونوں چیزیں کسی حد تک سیکھ کر جدہ پہنچ گئے۔ وہاں جاتے ہی حیدر کی ایک جرمنی ایرلائنس میں نوکری مل گئی۔ تنخواہ معقول

تھی۔ اور حیدر کی محنت دیکھکر مختلف تربیتی کورس کرائے گئے اور وہ ترقی کرتا چلا گیا۔ جو کچھ بھی کماتا تھا۔ یہاں بھیجتا رہتا تھا۔ اس کی زندگی کی کمائی ایک گھر خریدنے اور بہنوں کی شادی کرنے اور ماں باپ کی تیمار داری میں خرچ ہوجاتا وہ وہاں پر تنہا رہتا ماں باپ، بھائی بہنوں سے دور رہ کر بہت بے قرار اور بے چین رہتا۔ ویسے حیدر کا بچپنے سے ارادہ تھا کہ وہ ملک کی قوم کی اور اپنے خاندان کی خدمت کرے اور اس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوگیا تھا مگر اس کا دل مطمئین نہیں تھا کہ وہ آخر یہاں آکر کیا کمایا ہے اور کیا کھویا ہے ،اس کا جواب اس کے دل کو نہیں ملتا۔

وہ سوچتا کہ میں یہاں آکر نوکری نہیں کرتا تو آج میرے حالات اور خراب ہوتے گھر میں فاقے تو ہورہے تھے۔ بھوکے مرجاتے اور سر چھپانے کو ایک گھر کا ہونا ضروری تھا وہ نہ ہوتا تو بہنوں کی شادیاں نہ ہوتے اور ماں باپ آخری عمر میں اس طرح آرام سے نہ رہتے۔

لیکن وہ یہ بھی سوچتا کہ وہ وطن کے خاک پاک سے دور ہے اپنے ماں باپ کی خدمت سے محروم ہے اپنے بہنوں کے خوشیوں اور غموں کا شریک نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی شریک حیات ہے وہ اس لئے شادی نہیں کررہا تھا کہیں آنے والی اس کے ماں باپ اور بہنوں پر خرچہ کرنے پر اعتراضات کرے اور وہ بیوی کی باتوں میں آکر ماں باپ سے شرمندہ ہوجاتے جا بے بہرہ ہوجاتے۔

اسطرح حیدر نے باوجود 45 سال کے ہوجانے کے شادی نہیں کی اور اپنی زندگی کو قربان کردی اپنے جوانی کی رنگین دنوں کی قربانی دے دی۔

اپنے اپ سے پھر سوال کرتا حیدر کے اگر میں نے کچھ پایا ہے تو کچھ کھویا بھی ہے۔ یہ تو زمانے کا دستور ہے لیکن میں نے پایا کم ہے اور کھویا زیادہ ہے کیوں کہ یہ جو پیسہ میرے مسائل کو حل کیا ہے۔ میری جوانی کے رنگین دن وہ رات نہیں لوٹا سکتا۔

بحر حال میرے لئے یہ طے کرنا مشکل ہے کہ ہی تنے کیا کمایا ہے اور کی گمایا ہے یا کیا کھویا ہے۔

"دلوں کو فتح کرنا"

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق

ریسرچ اسکالر

آیئے سب سے پہلے ہم لفظ " دل " کے بارے میں سوچیں اس کو سمجھیں اس کی اہمیت تو جانیں اس کے بارے میں دانشوروں مفکروں اشاعروں ادیبوں کے خیالات کیا ہیں۔ ٹٹولیں یعنی میری مراد دل کو گہرائی سے سمجھیں پھر اس کے بعد اس کو فتح کرنے کی بات کریں۔ ایک محاورہ ہے۔ فاتح دل ہی فاتح زمانہ ہوتا ہے "

بات چھوٹی ہی ہے لیکن بہت گہری اور بہت ہی اہمیت والی ہے۔ اس ایک محاورہ پر اگر دنیا کے سارے کاغذ کو یکجا کر کے لکھا جائے سمندر کو اگر سیاہی بنا کر لکھا جائے تو بھی مضمون مقالہ (Thesis) مکمل نہیں ہو سکتا۔ کسی کے دل کو فتح کرنا ہے تو سب سے پہلے اس کے دل کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ دل کوئی قلعہ نہیں کہ اس کا دروازہ توڑ کر اس پر قبضہ کرلیا جائے۔ دل کوئی حکومت نہیں جس کا تختہ الٹ کر اس تخت پر بیٹھ کر حکمرانی کی جائے۔ دل کوئی بکنے والی چیز نہیں کہ اس کو خرید کر اپنے بس میں کیا جائے۔ دل کوئی پرندہ نہیں کہ اسکو پکڑ کر پنجرہ میں رکھا جائے۔ دل کوئی فلک یا زمین نہیں جس کو سر کرلیا جائے (پار کریں)۔ دل کوئی بہتا دریا نہیں کہ اس کو روک دیا جائے اور اپنے بس میں کرلیا جائے۔

دل تو دل ہوتا ہے۔ جس میں جذبات ہوتے ہیں۔ احساسات ہوتے ہیں۔ بے خوف و خطر اپنی من مانی کرنے کی ہمت ہوتی ہے۔ دل جہاں نرم و نازک موم کی طرح پگھلتا ہے وہیں یک سخت چٹان ایک قوی فولاد اور ناقابل تسخیر شئے ہے۔ اگر دل کو شاعر کی نظر سے دیکھا جائے تو سوائے اس کو محبوبہ کے ایک آئینہ کے اور کچھ نظر نہیں آتا اور اگر دل کو ایک دانشور کی نظر سے دیکھا جائے تو اس میں دل کے ساتھ ساتھ عقل سلیم کی جھلک بھی نظر آئیگی۔ دل اگر ایک ادیب کی نظر سے دیکھا جائے تو اس میں آپ کو جذبات احساسات غم، خوشی فکر اور نہ جانے کیا کیا ملے گا۔ دل اگر ایک مفکر کی نظر سے دیکھا جائے تو صرف ایک جذبات سے آری احساسات سے آری عقل کا غلام نظر آئے گا۔ دل اگر طبیب کی نظر سے دیکھا جائے تو صرف ایک جسم کو زندہ رکھنے کا اور ایک گوشت کا لوتھڑا، چند اونس کا ماسک

نظر آئیگا۔

ہمارے عنوان کے مطابق ہم جس دل کی بات کررہے ہیں جس دل کو فتح کرنے کی بات کررہے ہیں وہ بیچ ہے کہ ایک گوشت کا لوتھڑا ہی ہے۔ چند اونس خون کا ماسک ہی ہے لیکن زمانہ پر حکومت کرتا ہے۔ ایک اچھے دل والے کی قدر اتنی ہوتی ہے کہ بادشاہ وقت بھی اس کے سامنے ادب سے تعظیم سے کھڑا ہوجاتا ہے۔ اس کی دل سے قدر کرتا ہے اس کو اپنے آپ سے برتر سمجھ کر اپنا تخت و تاج بھی پیش کردیتا ہے۔

ہم جس دل کی بات کررہے ہیں وہ دل جذبات سے مبرہ نہیں ہے۔ اخلاق حمیدہ سے مبرہ نہیں ہے۔ ہمکو اس دل سے ہٹ کر اس دل کو بھی فتح کرنا ہے جو کٹھور ہے۔ ظالم ہے سخت۔ اور پتھر دل ہے غیر انسانی عملیات کا مرکز بنا ہوا ہے۔ پیار محبت خلوص اور اخلاق حمیدہ سے دور ہے۔ اسی پر مجھے ایک قطعہ یاد آتا ہے۔

سب کے دل میں بسنا ہوگا
سب سے جھک کر ملنا ہوگا
صادق مشکل ہے یہ لیکن
ایسا تم کو کرنا ہوگا

کسی کے دل کو فتح کرنے کے لئے طاقت کی نہیں نفرت کی نہیں زور زبردستی کی نہیں۔ مال وزر کی نہیں بلکہ خلوص سے محبت سے عقیدت(Affection)·(love) کی ضرورت ہوتی ہے اپ کسی کے دل کو ساری دنیا کی دولت دیکر بھی فتح نہیں کرسکتے۔ جبکہ آپ کی ایک معمولی بات اور نرم گوئی آپ کی محبت بھری نظر آپ کی اخلاق حسن آپ کے نیک جذبات کسی کے دل کو فتح کرنے کے ئے کافی ہیں۔

آیئے ہم اس بات کا عملی طور پر حال میں وقوع پذیر ایک حادثہ سے جائزہ لیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس وقت برطانیہ کے تخت پر پرنس چارلس وہاں کے ہونے والے بادشاہ ہیں۔ اسی محل میں ڈاینا ملکہ بن کر آتی ہیں اور پھر اس محل کو چھوڑ کر چلی جاتی ہیں۔ برطانیہ کے عوام کے دلوں پر چھا جاتی ہیں۔ ان کے دل کو ایک بادشاہ وقت بھی فتح کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ ان کی دولت ان کی جاہ و جلال انکا حسب و نسب اس کا تخت و تاج سب کے سب ان کے دل کو فتح کرنے مجبوری ظاہر کرتے ہیں۔ یہ وہی ڈائینا ہے جو بادشاہ وقت

سے زیادہ مشہور ہوئیں ۔ لوگوں کے دلوں کو جیت کر ایک ایسے تخت پر بیٹھ کر حکومت کرتی رہیں کہ جس کا کوئی نام نہیں بلکہ ساری دنیا کے دلوں کو انھوں نے فتح کیا ۔ ان کی وفات پر ساری دنیا رو پڑی حالانکہ مرتے وقت وہ کوئی ملکہ بھی نہیں تھیں لیکن لوگوں سے ان کو اپنے دل کی ملکہ بنایا اور ان کے جدا ہونے پر اپنی بھرپور عقیدت کا اظہار کیا ۔ تو ڈاینا میں ایسا کیا تھا غور کریں ۔ تو ہمکو پتہ چلے گا کہ ڈاینا ایک باہمت عورت. ظلم کے آگے سر نہ جھکانے والی عورت ۔ پیسے اور شخصیت سے مرعوب نہ ہونے والی منفرد Personality ہے اور قوم کے لئے آنے والی نسلوں کے لئے سماجی تنظیموں سے وابستہ ہوکر اپنی زندگی کو اس پر قربان کردینے والی عورت ہونے کی وجہ سے اس نے سارے عالم کے دلوں کو فتح کرلیا ۔ یہ ہوتا ہے بغیر کسی تخت و تاج کے لوگوں کے دلوں کو فتحکرنا لوگ اس کے کردار کو بھی بھول جاتے ہیں جو انسانیت کے لئے کچھ کرتا ہے ۔ سچے دل سے لوگ اس کے گرویدہ ہوجاتے ہیں ۔ اور بات آتی ہے پھر گھوم پھر کر دلوں کو فتح کرنے کی آئیے ہم بھی آج سے اس بات کا عہد کریں کہ جبراً کسی کے دل کو فتح کرنا تو ناممکن ہے اس لئے محبت سے خلوص سے پیار سے اپنی تدبیروں سے ہم لوگوں کے دلوں کو فتح کریں ۔ یہاں مجھے ایک محاورہ یاد آتا ہے جو حسب ذیل ہے ۔

کہ زباں شیریں تو ملک گیریں

زبان ٹیڑھی تو ملک بانکا

یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اگر بات کرتے وقت اپنی زبان میں میٹھاس رکھیں تو ملک پر حکومت کرسکتے ہیں ۔ اگر بادشاہ اپنی زبان اچھی نہ رکھے تو وہ اپنے تخت و تاج سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے ۔

تو دل شاعر کا ہو یا ادیب کا ہو یا مفکر کا ہو یا فلسفی کا ہو یا عاشق کا یا محبوبہ کا یا بادشاہ کا اپنی زبان اچھی نہ رکھے تو وہ اپنے تخت و تاج سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے ۔

تو دل شاعر کا ہو یا ادیب کا ہوں یا مفکر ہو یا فلسفی کا ہو نا عشق کا یا محبوبہ کا یا بادشاہ وقت کا ہو یا رعایا کا ایک ہی طرح کا برتاؤ چاہتا ہے وہ ہے محبت خلوص پیار وفا کا اور کچھ نہیں

اس ضمن میں میر ایک شعر تحریر کررہا ہوں شاید آپ کو پسند آئے ۔ عرض کیا ہے کہ

" مسجد کو توڑو توڑو تم مندر کو دن و رات

لیکن نہ توڑو دل کو یہ صادق کی سن لو بات

(خواجہ فرید الدین صادق)

یک لطیف شئے کا نام ہے جس کو توڑنا تو دور اگر ایک ہلکا سا بال بھی آئے تو دل کے
یں تو اس کا دور کرنا ناممکن ہے ۔ تو دل کو فتح کرنا ہی زمانہ کو فتح کرنا ہے ۔ یہی ہمارے
ن کا عنوان تھا جس میں مرکز دل رہا ہے ۔
یئے میرے دل سے آپ کا دل ملایئے میرے اظہار خیال سے آپ متفق ہیں تو دل
نے کا نسخہ مجھ سے مفت لے جایئے ۔

آپ کا مخلص

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق

ریسرچ اسکالر

پتہ: دل ۔ نگر ۔ دل مینشن

مکان نمبر: ۵۵۵۔۵۔۵ ۔ دل آباد

اتھ میں دل پر غزل بھی لے جایئے

(غزل)

کسی سے ذرا دل لگا کر تو دیکھ
ذرا دل کی دنیا بسا کر تو دیکھ
گذرتی ہے کیا کس پہ یہ دیکھنے
ذرا اپنے دل کو جلا کر تو دیکھ
پرندے کو رکھ لاکھ آرام سے
نہ آئے گا واپس اڑا کر تو دیکھ
ہے یہ زندگی کتنی نا پائیدار
مکاں ریت پر اک بنا کر تو دیکھ
تو نفرت کے جنگل میں صادق ذرا
محبت کا پودا اگا کر تو دیکھ

خوددار معذور

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق
ریسرچ اسکالر

ماجد ایک بہت ہی اچھے گھرانے میں پیدا ہوا جب آنکھ کھولا تو گھر میں پیسوں کی ریل پیل تھی ماجد کے والد گردوار تھے ۔ اور گرداوری بھی اس زمانے کی جب کے نظام کا دور تھا ۔ یا پھر دور جمہوری نیا نیا تھا اس وقت گرداور گاؤں کا راجہ کہلاتا تھا ۔ ماجد ایک اچھے گھرانے میں آنکھ تو کھولا مگر پولیو سے بہت جلد اس کے دونوں پیر بیکار کردیئے وہ رینگتے رینگتے ہی بڑا ہوا ۔ گھر کے حالات اب پہلے جیسے نہیں رہے تھے ۔ والد نے دوسری شادی کرلی ۔ بچے زیادہ تھے گھر کے اخراجات پورے ہونا مشکل تھا ایک بڑے بھائی تھے ان کی شادی ہوچکی تھی ایسے میں وہ اپنے بیوی بچوں کے اخراجات ہی مشکل سے پورے کرپاتے تھے ۔
ماجد وہ لڑکا تھا جس کی ہر ایک خواہش کو اس کے والد والدہ ہر قیمت پر پوری کرتے تھے لاڈوں میں پلا ہوا معذور بچہ ویسے معذور بچے کو دوسروں سے زیادہ توجہ اور لاڈ تو ملتا ہے ۔ لاڈو پیار میں پلا ماجد جب ہوش سنبھالا تو خواہشات کی تکمیل کرنے والا باپ کی گھر سے عدم توجہی نے اسے سوچنے پر مجبور کردیا کہ بڑے بھائی صاحب اپنے بیوی بچوں کے اخراجات پورے کرنے میں ہی کامیاب نہیں ہوپاتے تو وہ ان کے گھر کی کیا دیکھ بھال کریں گے ۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ اپاہج دونوں پیروں سے معذور کیا کام کرے گا جس سے گھر چلے ۔ کون اس کو کام دے گا ۔
رحم و کرم سے وہ کچھ بھی کسی سے لینے پر مایل نہیں تھا ۔ معذور تھا مگر خوددار تھا اور محنت کرنے میں شرم نہیں کرتا تھا ۔۔

بحر حال وہ گھر کی مدد کے لئے ایک چائے کے کارخانے میں پڑیاں بنانے کی یومیہ اجرت کی نوکری کرلی ۔ پھر اس کے بعد لائٹ کے چولھے بنانے کی بھی نوکری کی اس طرح کرتے کرتے وہ اپنے بھائی کے سیکل اسٹانڈ پر نگرانی کے فرائض انجام دینے لگا ۔ ایک خلیرے بھائی کریم کو ماجد کے بڑے بھائی نے ایک پرانا آٹو دلایا جس کا کرایہ وغیرہ خود ماجد وصول کیا کرتا تھا آٹو چونکہ پرانا تھا اس لئے بار بار خراب ہوتا اور ماجد ایک میکانک کے

پاس آٹو بنانے جاتا وہاں پر وہ خود سے آٹو بنانا سیکھ لیتا ہے اور شوق شوق میں بھائی کے آٹو کو بجائے میکانک کے پاس لے جانے کے خود کھولتا اور بناتا۔

اس طرح ماجد اپنی ذاتی جستجو اور کوشش ، ذہانت کی وجہ سے ایک بہترین آٹو میکانک بن گیا۔

ماجد چونکہ دونوں پیروں سے معذور تھا لیکن دماغ سے حوصلے سے معذور نہیں تھا والد کے انتقال کے بعد ماجد نے اپنے گھر کو سنبھالا اپنی تین بہنوں کی شادی میں اپنے بڑے بھائی کی اعانت سے اور ذاتی خرچہ سے کیا۔

اس کے بعد ایک چھیرے بھائی کی زبردستی سے وہ شادی کرنے پر مجبور ہوا اور خدا سب کے جوڑے بناتا ہے اسکے قسمت سے اسے ایک اچھی کم عمر اور عقلمند بیوی جو ایک پیر سے ذرا معذور تھی مل گئی۔

دونوں اب ایک کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔

ماجد کو اب ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے جیسے وہ اچھے مدرسے میں پڑھا رہا ہے ۔ ماجد آج پرانے شہر کا ایک منجھا ہوا آٹو میکانک کی حیثیت سے مشہور ہو چکا ہے ۔ معذور خوددار شخص کی ایک زندہ مثال ہے ۔ آج کل کے بہت سے معذور یا تو بھیک مانگنے کا پیشہ اختیار کئے ہیں یا پھر کوئی کام نہ کر کر گھر پر بوجھ ہیں پھر حکومت کی مدد کے منتظر ہیں۔ مگر ماجد کارخانہ خود سے چلا کر دو لوگوں کو روزگار دے کر ایک مثال قائم کر چکا ہے۔

آیئے اس کو ہم اور آپ بھرپور خراج تحسین پیش کریں۔

چند روزہ دلہنیں (افسانہ)

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق
ریسرچ اسکالر

روبینہ ایک اچھے خاندان کی لڑکی ہے۔ پڑھی لکھی باکردار کم عمر قبول صورت جس کے والد باہر سعودی عرب میں برسر روزگار ہے۔ والدہ یہاں ایک Govt.School میں بچوں کو پڑھاتی ہیں ایک بھائی سعودی عرب میں برسر روزگار ہے جس کی حال میں شادی ہوچکی ہے ایک شہر کے معزز خاندان میں ایک اور بھائی روبینہ کا Russia میں MBBS کا طالب علم ہے روبینہ کی ایک بڑی بہن بھی ہے جس کی شادی ہوکر چند روز ہوئے پیا اور اس کا شوہر بھی باہر روزگار پر ہے۔ روبینہ جیسے ہی سن بلوغ کو پہنچی اس کو رشتے آنے لگے لیکن ان کی والدہ نے لڑکی کم عمر ہے ابھی میرا شادی کا ارادہ نہیں ہے اور پھر میری لڑکی پڑھنا چاہتی ہے کہہ کر ٹال دیتی تھیں ویسے بھی لڑکا جو رشیا Russia میں تعلیم حاصل کررہا ہے اس کا خرچہ پھر حال ہی میں روبینہ کی بڑی بہن کی شادی کا قرضہ سر پر تھا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی جو روبینہ کے رشتوں کو جو مسلسل آرہے تھے نظرانداز کردینے کی۔

لیکن روبینہ کے ننہیال کے ایک رشتہ دار جو ایک بار روبینہ کو شائد کسی دعوت میں دیکھے تھے بس شادی کے لئے مجبور کرتے لگے۔ ان کا لڑکا ایک Civil Draftsmans Architect تھا جو ایک پراوائیٹ کمپنی میں 2 ہزار روپیہ پر برسر روزگار تھا۔

روبینہ کی والدہ نے بہت انکار کیا بہانے بھی بنائے اور یہ بھی وجہ بتائی کے ان کے شوہر باہر ہیں اسلئے وہ جواب دینے کے موقف میں نہیں ہیں۔ لیکن باوجود تمام کوششوں کے روبینہ کی والدہ کو شادی کرنے پر مجبور کردی گئیں۔ گھوڑے جوڑے کی رقم 25 ہزار روپئے ادا کی گئی پھر سونا، جہیز شادی کا کھانا وغیرہ سب کچھ لڑکے کے والدہ کے خواہشات Demand کے مطابق پورا کیا گیا۔

لڑکے کو باہر بھیجنے کا ویزہ اور ٹکٹ بھی جہیز کی لسٹ میں شامل تھا۔ شادی کے چند روز کے بعد ہی دلہن کو تانے دینے شروع ہوگئے۔ کیوں کہ لڑکی کے والد نے ویزے کا بندوبست نہیں کیا تھا حالانکہ وہ وہاں کوشش میں تھے مگر ان کو ویزہ نہیں مل رہا تھا۔ ادھر دلہن کا جینا دوبھر کردیا گیا۔ ساس نند، دیور ماموں سسر وغیرہ۔ لڑکی منحوس۔ جھوٹی کم ظرف۔ یہاں تک کہ پاگل کا خطاب بھی دے دیئے

لڑکی اپنے ماں کے گھر بھیج دی جاتی جاؤ اور ویزے کا تقاضہ کرو فوری انتظام تمہارے باپ کو بولکر کراؤ ورنہ آنے کی ضرورت نہیں وغیرہ وغیرہ۔

روبینہ ماں کے گھر آتی روتی باپ کو خط لکھتی فون کرتی میری زندگی خطرے میں ہے آپ فوری ویزے کا ٹکٹ کا انتظام کیجئے۔

اس اثناء روبینہ کے ہاں ایک لڑکی تولد ہوئی جس پر بجائے خوشیوں کے غم کا ماتم منایا گیا ساس نے بہو کو منحوس کہا کیونکہ بجائے لڑکے کے لڑکی کو جنم دیا۔

روبینہ نے کہا کہ یہ خدا کے ہاتھ کی بات ہے اس میں میرا کیا قصور آپ لوگ مجھے کیوں منحوس کہہ رہے ہیں تو اس پر سارے سسرال والے برہم ہوگئے۔ اس مرحلے سے ابھی گزری بھی نہ تھی کہ روبینہ کے والد نے ویزے کا انتظام کیا اور ٹکٹ کا بھی اور خود آکر داماد کو لیکر گئے۔

ستم ظریفی یہ کہ نہ صرف روبینہ کے شوہر بلکہ ان کی بڑی بہن کے شوہر کو بھی ویزا لا کر دینا پڑا تھا۔

خیر سسر نے خود داماد کو ساتھ لیکر سعودی عرب گئے اپنے ٹکٹ اور اپنے ویزا کے اوپر۔ اب اس کی بد قسمتی کہئے۔ یا پھر روبینہ کے شوہر کا آب و دانہ وہاں کا نہ تھا شائد اس لئے اس کو وہاں کی نوکری ماحول وغیرہ پسند نہیں آیا اور وہ 6 ماہ میں ہی حیدرآباد واپس آگیا۔

اب تو روبینہ کا جینا دوبھر ہوگیا مصدقہ منحوس اور پاگل کہلانے لگی ماں باپ گھر جانے پر سختی سے پابندی عائد کردی گئی۔ دو دو روز کھانے کو ترسایا گیا۔ دلہن جو بن کر گئی تو بجائے آرزو ارمان نکالنے کے گھر کی خادمہ سے بدتر حالات میں دن گزارنے لگی ساتھ بیٹھ کر کھانے کی بھی اجازت نہیں تھی۔

بات بات پر نہ صرف شوہر بلکہ ساس اور دیور تک مار مار کر برا حال کردیتے۔ ایک روز اس طرح خوب مار کر اس کو اسکی خالہ کو بلاکر ان کے حوالے کردیا گیا۔

ماں باپ کو جب اس بات کا علم ہوا تو بجائے لڑنے جھگڑنے کی انھوں نے پولیس میں شکایت درج کروائی۔ ایک شریف شہری کی طرح لیکن یہ بات ایک مصیبت بن گئی اور روبینہ جو دلہن بن کر چند ماہ بھی نہیں ہوئے تھے اس کو طلاق دینے کی تیاریاں شروع ہوگئیں اور بالآخر اس کو طلاق دے دی گئی۔۔ یہ قصہ روبینہ کا کھل کر سامنے آیا لیکن یہ قصہ آج کی 90% دلہنوں کا ہے۔ جو اپنے ارمانوں اور آرزوؤں اور خواہشات جذبات عزت و آبرو کو بچانے کی خاطر دلہن سے طلاق شدہ بن رہی ہیں۔ یہ چند روزہ دلہنوں کی المناک کہانیوں سے ملتی جلتی حقیقت پر بنی ایک کہانی ہے۔ اس سے ہم کو سبق لینا چاہیے اور چند روز دلہنوں کو صحیح تلقین کر کر آئندہ سماج میں ان کی تعداد کو بڑھنے سے روکنا چاہیے۔ ورنہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"دفن کیسے کریں"

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق

ریسرچ اسکالر

آج کے اس گرانی کے دور میں جہاں جینا دوبھر ہے اب مرنا بھی بہت گراں گزر رہا ہے۔ رابعہ جو ایک اسکول میں ملازمہ کا کام کرتی تھی اسکے بیمار بیکار اور بے روز گار شوہر کا طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا ہے۔ بیچاری بہت مقروض تھی ۲۵ / تاریخ مہینے کے آخری دنوں میں شوہر کے انتقال نے اسے بہت پریشان کردیا۔

اس نے اپنے بھائی کی طرف امید کی نظروں سے دیکھا بھائی بے چارہ خود بے روز گار تھا بہرحال اپنے مدرسہ کے کچھ ٹیچروں کے پاس جاکر کس طرح چندہ کر کرا ایک ہزار روپیہ جمع کرلی۔ گھر میں لاش رکھی ہوئی تھی پیسوں کا انتظام نہیں ہورہا تھا۔ ادھر بھائی قبرستانوں کے چکر پر چکر لگا رہا تھا ہر قبرستان کے تکیہ دار پہلے تو بھائی کی حالت کو دیکھ کر ہمارے پاس جگہ نہیں ہے کہنے لگے پھر بعد میں بڑی مشکل سے ایک قبرستان میں جگہ تو ملی مگر ۵ ہزار روپیہ کا مطالبہ کیا گیا۔ بھائی بھاگا بھاگا گھر آیا لوگ جمع ہونا شروع ہوئے صبح سے شام ہوگئی لوگوں نے کہا کہ بھائی آخر کیا بات ہے قبر کا انتظام ہوا کہ نہیں۔ ہر کسی کے پاس سوائے ہمدردی کے جملوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ بہرحال لوگوں کو کیا معلوم کہ کیا مجبوری تھی۔ کفن کا خرچہ خود 2000 روپیہ ہورہا تھا۔ رالعہ نے خدا کی طرف ہاتھ اٹھایا خدا تو انسان کو ننگا پیدا کرتا ہے تو پھر اسکو ننگا ہی واپس قبول کرے میں مجبور ہوں اپنے شوہر کے لئے زندگی میں آج ۱۰ سال سے ایک نیا کرتا پاجامہ نہیں خرید سکی اب کیسے کفن خرید سکونگی۔ بہرحال یہ دعا تو اپنی جگہ تھی معاملہ صرف کفن کا نہیں تھا دفن کا بھی تھا۔ دفن کے لئے بھی پیسے نہیں تھے اور کوئی آگے بڑھکر مدد بھی نہیں کر رہا تھا۔ اچانک رالعہ کو ایک ترکیب سوجھی اس نے اعلان کیا کہ آپ سب لوگ میری بات غور سے سنئے گا مرحوم کی یہ وصیت ہے جو میں آپکو سنارہی ہوں اور وصیت کے مطابق ہر کام ہوگا۔ بھائی نے مداخلت کرنی چاہی تو اسکو خاموش کردیا۔

حضرات مرحوم نے وصیت کی تھی کہ انکو کفن نہ پہنایا جائے بلکہ انکے پرانے کپڑوں میں سے پاک دھلاہوا جوڑا پہنادیاجائے نہلانے کے بعد اور دفن کے لئے اگر قبرستان میں جگہ نہ ملے تو مجھے میرے گھر کے آنگن میں ہی دفن کر دیاجائے۔

ایک کونے میں یہ اعلان کرتے کرتے رابعہ کی ہچکیاں بندھ گئیں اور آخر کار سب لوگوں نے رابعہ کے اعلان کے مطابق بغیر کفن کے گھر کے آنگن کے ایک کونے میں اسکے شوہر کو دفن کردیا۔ ہمارے معاشرہ کے لئے یہ ایک مثبت اٹھتاہوا اقدام تھا رابعہ کا کہ آخریہ کفن دفن کے لئے اتنے اخراجات اس گرانی میں زندہ لوگ کس طرح برداشت کریں۔ قبرستانوں میں ہی جگہ کی کمی اور اس پر منہ مانگی قیمت ادا کرنے پر جگہ کی فراہمی غریب اور متوسط طبقہ کیلئے روزبروز ایک مسئلہ بن رہی ہے۔ یہ خیالات ایک دانشور جو رابعہ کو قریب سے جانتے تھے اسکے حالات سے واقف تھے وہاں موجود لوگوں میں بتائے جس پر حاضرین پر ایک سکتہ طاری ہوگیا۔ رابعہ نے " دفن کیسے کریں " کے ایک مسئلہ کو اٹھایا ہے۔ مگراپنے شوہر کی لاش کو بے گور و کفن دفن کرنے کے بعد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

"جسکو اللہ رکھے اسکو کون چکھے"

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق (ریسرچ اسکالر)
بانی و صدر ادارہ ادب صادق
پرنسپل سینٹ صادق ہائی اسکول

خدا جس کو زندہ رکھنا چاہتا ہے وہ کسی صورت بھی مر نہیں سکتا چاہے اسکو زندہ دفن ہی کیوں نہ کردیا جائے موت کا وقت مقرر ہے اس بات کی تصدیق کئی باتوں سے ہو چکی ہے۔ کئی بار ایسا ہوتا ھیکہ لوگ ٹرین کے نیچے آکر بھی زندہ بچ جاتے ہیں انکے بال کو بھی دھکا نہیں لگتا، کئی منزلہ عمارت سے گر کر بھی لوگ بچ جاتے ہیں، آگ سے اور گھروں کے ملبہ میں دب جانے کے باوجود زندہ نکل آتے ہیں۔ آخر یہ سب کس بات کیطرف متوجہ کرتے ہیں وہ ہے صرف خدا کا نظام اور وقت مقررہ پر انسان کی موت۔ میرا یہ افسانہ بھی ایک حقیقی واقعہ پر بنی ہے۔

ایک، سالہ لڑکی لوگوں کو فٹ پاتھ (Foot path) پر بے ہوش ملی لوگوں نے اسکو ہوش لانے کی بہت تدابیر کیں ایک عمر رسیدہ شخص نے کہا کہ یہ مر چکی ہے۔ اب مردے کو ہوش میں لاسکتے ہو تو کوشش کرو اس کی اسبات پر سب لوگ اس لڑکی کے متعلقین کے بارے میں پوچھنے لگے جب کوئی پتہ نہ چلا تو لوگوں نے چندہ کیا اور پاس کے قبرستان میں اسکی تدفین عمل میں آئی۔ اکثر و بیشتر قبرستان میں موسم سرما اور بارش میں بہت گھنی گھنی جھاڑیاں اگ آتی ہیں وہیں مویشی پالنے والے لوگ اپنے مویشیوں کو چرانے کی غرض سے لاتے ہیں چند چرواہے کے لڑکے قبرستان میں اپنے مویشیوں کو چھوڑ کر گلی ڈانڈا کھیلنے لگے۔ پہلے روز انکو ایک قبر میں سے آوازیں آئیں تو وہ سب مارے ڈر کر قبرستان سے بھاگ کھڑے ہوئے اور محلے کے کچھ لوگوں کو اسبات کی اطلاع دی محلے والے بھی گھبرائے اور بچوں کو اس قبرستان میں پھرنہ جانے کی تاکید کی۔ وہ لوگ بھوت پریت یا بدروح سمجھ رہے تھے۔ آج کل قبرستانوں میں بھی لوگ گھر بناتے ہیں قبرستانوں کے

قریب کے گھروں میں بھی اس رات برابر ایک قبر سے آواز سنائی دے رہی تھی۔ دوسرے روز وہ چرواہے جو ڈر کر بھاگ کھڑے تھے پھر ہمت کر کر اپنے اور دوچار دوستوں کیساتھ قبرستان گئے وہاں پھر اسی قبر سے آوازیں آرہی تھیں ان لوگوں نے ہمت کر کر اس قبر کو کھودنا شروع کیا انکے تعجب کی انتہا نہ رہی جب انھوں نے قبر میں سے ایک زندہ لڑکی کو روتے ہوئے دیکھا۔ اسکو مٹی کے ہزاروں من تودے کے نیچے سے نکال لیا۔ اس قبر میں سے بچی نکلی تو وہ بدحواس تھی رو رو کر چیخ کر اس کا براحال ہوگیا تھا۔ بہرحال بچی کو محلے کے ایک بزرگ شخص کے حوالے کیا گیا اور اسکی رپورٹ پولیس میں بھی درج کرادی گئی تاکہ اسکے ماں باپ کا پتہ چلاکر انکے حوالے کیا جاسکے۔ دودن تک قبر میں رہنے کے بعد زندہ نکلنا اس بات کی دلیل ھیکہ اللہ تعالی موت کا وقت مقرر کر دیا ہے چاہے لاکھ انسانی عقل اسکو ماننے نہ مانے کہ قبر میں کسطرح زندہ رہی ہوگی دوسرا جنم ہوگا وغیرہ وغیرہ لیکن یہ بات صاف ھیکہ اللہ جسکو بچانا چاہتے ہیں وہ بچ جاتا ہے اور اپنی زندگی کی مقررہ معیاد کی تکمیل کرتا ہے۔

تو پھر آپ چپ کیوں ہیں آپ بھی کہئے کہ

"جسکو اللہ رکھے اسکو کون چکھے"

پنچنامے کا پنچناما

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق
ریسرچ اسکالر

ہمارے محلے میں ایک لڑکا جمیل رہا کرتا تھا جسکے والد پولیس کے ایک کارگرد انسپکٹر تھے جمیل بھی پولیس انسپکٹر کا امتحان دے چکا تھا اور نتیجہ کا منتظر تھا دراصل جمیل کو شوق پولیس میں بھرتی ہونے اسلئے بھی ہوا کیونکہ اسکے بہت سے لوگ پولیس ڈپارٹمنٹ سے وابسطہ تھے اسکے ایک حقیقی چچا بھی پولیس میں انسپکٹر تھے محنتی اور بارعب انسپکٹر تھے

ایک روز وہ گھر پر آرام کر رہے تھے کہ انھیں فون پر اطلاع دی گئی کے آپکے Area میں ایک Accident ہوگیا ہے اور ایک لاری والے نے سیکل والے کو اپنی زد میں لے لیا اور سیکل والا وہیں پر تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا ہے۔

انسپکٹر صاحب جو ابھی ابھی ڈیوٹی سے گھر آئے تھے کہا کہ بھائی میں ابھی یونیفارم اتارا ہوں اور بے انتہا تھکا ہوا بھی ہوں یہہ میرے فرائض میں داخل ہے مگر چونکہ ایک اور انسپکٹر اس وقت ڈیوٹی پر آچکے ہونگے آپ ان سے پنچنامہ کروالیجئے۔

جمعیدار صاحب جو فون کر رہے تھے بتایا کہ صاحب وہ جو انسپکٹر صاحب تھے انکے گھر سے فون آیا کہ انکے والد کو دل کا دورہ پڑا ہے تو وہ ابھی ابھی بڑے صاحب سے اجازت لے کر گئے ہیں اور اسوقت وہ نہ جانے کس دواخانے میں ہونگے مجھے بہت کوشش کے بعد بھی مجھے نہیں معلوم ہوسکا جسکی اطلاع میں بڑے صاحب یعنی ACP صاحب کو دیا تو انھوں نے کہا کہ ٹھیک ہے جو ابھی ڈیوٹی سے گئے ہیں انکو بلالو اور بولو کہ میں نے کہا ہے۔

جمیل کے چچا ابھی کچھ فیصلہ بھی نہ کرپاتے تھے فون رکھا جیسے ہی فون رکھا پھر گھنٹی بجی اور ACP صاحب خود مخاطب ہوتے اور کہا کہ میاں جو شخص مرا ہے وہ منسٹر کے PA صاحب کا چپراسی ہے بہت اہم کام ہے PA صاحب کے دو فون آچکے ہیں اسلئے آپ خود جاکر پنچنامہ کر دیجئے لاری والا لاری چھوڑ کر فرار ہوگیا ہے اسکو بھی تلاش کیجئے اور بعد پنچنامہ کو آپ میرے پاس آکر ایک بار وہ پنچنامہ بتا کر جائیے۔

جمیل کے چچا بادل ناخواستہ پھر بغیر کھائے پیئے فوری رخصت ہوئے گھر والی نے کہا کھانا گرم ہے دو نوالے کھالے کر جاتے مگر انسپکٹر صاحب نے کہا کہ لاش ٹھنڈی ہو رہی ہے پنچنامہ فوری کرنا ضروری ہے اسطرح وہ مقام حادثہ پر پہنچے دو جمعیدار دو جوان کو ساتھ لیئے۔ لاری کے اطراف سفید لکیر کھینچی گئی لاش اور سیکل کے اطراف بھی چونکہ حادثہ بیچ سڑک پر نہیں ہوا تھا سیکل راں بازو ہی تھا مگر لاری کا آدھا حصہ بیچ سڑک پر تھا اور آدھا تقریبا فٹ پاتھ کے قریب لاری شاید بے قابو ہو کر تیڑھی ہو گئی تھی۔ بہر حال انسپکٹر صاحب پوچھ تاچھ کر رہے تھے روڈ سے حادثہ کی دوری ناپی جارہی تھی۔ انسپکٹر صاحب خود نگرانی کر رہے تھے کے اتنے میں ایک اور تیز رفتار لاری جسکا ڈرائیور یقینا نشے میں تھا ہو گا جو رفتار کو ذرا بھی کم نہیں کیا اسکی رفتار دیکھکر انسپکٹر صاحب ذرا بازو ہٹے مگر وہاں موجود ایک گڑھا لاری کا رخ انسپکٹر صاحب کی طرف کر دیا اور انسپکٹر صاحب جو ایک حادثہ کا پنچنامہ کرنے گئے تھے خود حادثہ کا شکار ہو کر لاری کے نیچے آگئے اور وہیں دم توڑ دیا ACP صاحب کو جب معلوم ہوا تو وہ بر سر موقعہ پہنچ گئے اتنے میں وہ انسپکٹر جو ڈیوٹی پر تھے پہلے کے حادثہ کی اطلاع پر اپنے والد کو مکان چھوڑ کر اور دوا وغیرہ دلاکر پہنچے تو انکو یہہ حادثہ بھی نظر آیا جسکا اب انکو پنچنامہ کرنا تھا۔

اسطرح سے پہلے حادثہ کے پنچنامے کا بھی پنچنامہ ہوا تو یہہ تھا پنچنامے کا پنچنامہ۔
"سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں"

چمپا کی ادھکھلی مرجھائی کلی

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق

ریسرچ اسکالر

ایک روز کا واقعہ ہے کہ گاؤں اودھے پور میں ایک جیپ گاڑی بہت دنوں کے بعد دندناتی آئی اس میں ایک منسٹر صاحبہ اور ان کے باڈی گارڈس بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ گاڑی جیسے ہی گاؤں میں داخل ہوئی گاؤں کے پٹیل پٹواری گرداور کے علاوہ تحصیل دار صاحب معہ ڈپٹی کلکٹر صاحب کے آگے بڑھکر استقبال کیا قافلہ گاؤں کے اندر ایک بہت بڑی عمارت پر رکا جو وہاں پٹیل صاحب کا بنگلہ کہا جاتا تھا۔

منسٹر صاحبہ تو بنگلے کے اندر داخل ہوگئیں اور ان کے بندوق بردار باڈی گارڈ اور ایک پولیس والے صاحب باہر ہی ٹھیر گئے۔

پٹیل کے گھر کے سامنے ایک جم غفیر لگ گیا تھا پولیس والے نے اور باڈی گارڈ نے سب لوگوں کو وہاں سے چلے جانے کی تلقین کی اور ڈرایا دھمکایا سب لوگ جانے لگے۔ پٹیل صاحب کے گھر کے سامنے چھت پر ایک بالکل کم عمر لڑکی 12 یا 13 کی ہوگی مسلسل دھوپ کی شدت میں بھی یہ سب تماشہ دیکھ رہی تھی۔ دھوپ میں اس کا چہرے اور روشن اور صاف نظر آ رہا تھا بلا کی کشش تھی اس کے چہرے میں کبھی سنجیدہ ہوجاتی کبھی کسی بات پر حیران ہوجاتی اور کبھی کبھی مسکرادیتی واقعات کو دیکھکر جو منسٹر صاحب کے آنے سے ہورہے تھے۔ گاؤں کا ایک شریر لڑکا ہمیشہ اسے چھیڑا کرتا تھا اس کا نام رامو تھا۔ جب رامو کو پٹیل صاحب کے گھر کے سامنے سے پولیس والے نے جانے کیلئے کہا وہ نہیں گیا۔ چپراسی اس کو ڈنڈے سے ایک بار مارا ہی تھا کہ اوپر کھڑی چمپا زور زور سے قہقہ لگاکر ہنس پڑی۔ اس کے قہقہ کی زور پر منسٹر کا باڈی گارڈ اور وہ پولیس والا دونوں اس کی طرف نگاہ اٹھاکر دیکھے تو پھر نگاہیں ہٹانا بھول گئے۔ دونوں ایک دوسرے کہ معنی خیز نظروں سے دیکھکر مسکرائے اور پھر اس لڑکی کی طرف نگاہ اٹھائی اور اوپر اپنی نگاہیں گاڑدیں۔ لڑکی چمپا پہلے تو کچھ سمجھی نہیں پھر ایک دم سے شرماکر گھبراکر نیچے اتر کر گھر میں چلی گئی اور کھڑکی کے پردے میں سے آہستہ جھانک کر دیکھی تو اس کو پھر ہنسی آگئی کیوں کہ وہ باڈی گارڈ اور پولیس والے بار بار چھت پر دیکھ رہے تھے۔ اس کی ہنسی کی آواز پر متوجہ ہوکر نیچے کھڑکی میں دیکھنے لگے جہاں

عرفہ ہلتا ہو پردہ انھیں چڑا رہا تھا۔

دونوں بہت بے قرار اور بے تاب نظر آرہے تھے اتنے میں چمپا کے گھر میں سے ایک بوڑھا باہر نکلا جو چمپا کا دادا تھا جسکا نام رالمو تھا ان دونوں نے رالمو کو اپنے پاس بلایا بٹھایا اسکے تفصیلات حاصل کر کے بہت خوش ہوئے کہ چمپا کا باپ مرگیا ہے چمپا اکلوتی ایک ہے چمپا کی ماں دوسرے گاؤں کے پٹیل کے گھر میں کام کرتی ہے وہ اور چمپا دونوں اکیلے ہی گھر پر رہتے ہیں۔

یہ تفصیلات سن کر باڈی گارڈ اور پولیس والا بہت خوش ہوئے جب رات ہونے لگی تو لوگوں کو گھر کے باہر پلنگ دے دیئے گئے کہ اس پر سوجائیں رات کو کوئی 12 یا ایک بجے کا وقت ہوگا پورا گاؤں گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ دونوں جو بے قرار تھے کسی طرح اس لڑکی کو پانے منصوبے بنا رہے تھے کہ کس طرح اپنی حوس کا نشانہ بنائیں پولیس والے نے کچھ کان میں کہہ کر باڈی گارڈ کے چمپا کے گھر کا دروازہ ڈھکیلا دوروازہ اندر سے بند تھا مگر گاؤں کے دروازے اتنے محفوظ نہیں ہوتے پولیس والے نے دروازے کی ساند میں ہاتھ ڈالکر اہستہ سے دوروازہ کھول دیا دونوں اندر داخل ہوئے اور لڑکی کو دبوچ کر اسکے منہ پر ہاتھ رکھکر چھت پر لے گئے اور دونوں ایک کے بعد دیگر اسکی عصمت کئی بار لوٹی بچی کے منہ میں کپڑا ٹھونسنے سے چلا بھی نہیں سکی اور بے ہوش ہوگئی جب وہ لوگ چھت پر سے اتر رہے تھے تو بوڑھے دادا نے دیکھ لیا اور چلانا شروع کیا جس پر دونوں فرار ہوگئے وہ اوپر جاکر اپنی پوتری کی حالت دیکھ کر چیخیں مارنے لگا سامنے کے گھر سے پٹیل صاحب اور منسٹر صاحب سب دوڑے دوڑے آئے بوڑھے نے سب حال رو رو کر بتایا۔ ادھر رامو جو اس پر ہر دم اپنی جان چھڑکتا تھا وہ بھی اب چمپا سے نظریں بچا کر گذر جایا کرتا تھا۔ چمپا کو سارے گاؤں کے لوگ بھی تانے دے رہے تھے۔ چمپا سوچتی تھی کہ جس بات میں میرا قصور نہیں اس بات کی وجہ سے مجھے دھتکارا جارہا ہے آخر یہ کیسا سماج ہے۔ جس میں مجھے کھلنے سے پہلے ہی مرجھانا پڑرہا ہے۔

پولیس والا اور باڈی گارڈ دونوں فرار ہوگئے تھے انکو گرفتار کیا گیا معطل کیا گیا لڑکی کے والدین اور لڑکی کے ساتھ چیف منسٹر نے ہمدردی ظاہر کی اور ایک چمپا کی ادھ کھلی کلی ہمیشہ کیلئے مرجھا گئی۔ کیا ہمارے سماج کے پولیس اور منسٹر کے اسٹاف اس برائی کو جڑ سے نکالنے میں آگے آئیں گے یا پھر کل ایک اور چمپا مرجھا جائیگی؟

عشقِ صادق

محبت ایک لطیف جذبہ کا نام ہے اور اگر یہ حد سے بڑھ جائے تو اس کو عشق کہتے ہیں۔ عشق صادق سے مراد سچا عشق ہے جو دنیا میں شاید ہی ملتا ہوگا ہماری یہ کہانی بھی ایک ایسے سچے عاشق و معشوق کے گرد گھومتی ہے جو باوجود ہزاروں سماجی مجبوریوں کے ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہتے ہیں۔

صادق ایک الھڑ قبول صورت درمیانہ قد چوڑی چکلی چھاتی کسرتی بدن بڑی بڑی خمار بھری آنکھوں والا نوجوان ہے جو بچپن سے ہی زندہ دل اور خطروں سے کھیلنے والا لڑکا ثابت ہوتا رہا ہے اس کی ذہانت حاضر جوابی کے خاندان اور محلہ کے بزرگ بھی قایل تھے۔ شروع سے ہی اس کو صنف نازک سے گہرا لگاؤ تھا۔ اس کی قسمت بھی اچھی تھی اس کے ساتھ ہم عمر لڑکیاں اس سے جلد بے تکلف ہوجاتیں اور ہمیشہ اسے اپنی توجہ کا مرکز بنائے رکھتیں۔ صادق بھی ان سے اپنا مطلب نکلنے تک دوستی رکھتا دل بہلاتا اور پھر دوسری طرف متوجہ ہوجاتا کیوں کہ اس کی فطرت میں ٹھراؤ نام کی کوئی چیز نہیں تھی وہ اس بات کا قایل تھا کہ جب منظر خود میری نظروں کے سامنے آرہا ہے تو میں بے وقوف نہیں ہوں کے اس منظر کو نہ دیکھ کر اپنی آنکھیں بند کرلوں۔ اور پرانے منظر پر ہی آنکھیں جمائے رکھوں۔ اس کے سارے دوست اس کو Criminal کہا کرتے تھے مگر پیارے صادق کی قسمت ہمیشہ

زور آور رہی ہر معاملہ میں وہ سب سے مختلف اور یکتا رہا لوگ اسے دیکھ کر رشک کرتے تھے ۔ خاندان کی لڑکیاں اور جو بھی لڑکی اس سے ملتی اس کی گرودا ہوجاتی صادق خود پریشان رہتا ہے آخر اس میں ایسا کیا ہے جو ہر لڑکی اس پر جان چھڑکتی ہے اسے یقین نہیں آتا بار بار اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھتا اور محسوس کرتا کہ اس کے چہرے میں یا شخصیت میں ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی کہ لڑکیاں اس کی دیوانی ہوجائیں ۔ بحر حال وہ اس بات کو خوش قسمتی پر چھوڑ دیتا ۔ صادق PUC کا امتحان بہت کم عمری 16 یا 15 سال کی عمر میں کامیاب کر کے B.Sc. میں ایک مقامی کالج میں داخلہ حاصل کرتا ہے وہاں اس کی ملاقات سید نامی لڑکے سے ہوتی ہے سید صادق کا ہم خیال ہوتا ہے اس لئے دونوں کی دوستی بہت گہری ہوجاتی ہے ایک دوسرے کے بغیر وہ کالج میں ادھورے نظر آتے ہیں کالج کی مختلف سرگرمیوں میں صادق اور سید بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

صادق گیمس اور اسپورٹس میں کئی ایک انعامات حاصل کرتا ہے وہ Table Tennis کا کیپٹین بھی بن جاتا ہے ۔ Weight Lifting میں بھی وہ بہت نام کماتا ہے اور مسٹر آف کالج Mr. of College کے مقابلوں میں تیسرا انعام بھی پاتا ہے ۔ کالج کی کئی لڑکیاں اور خاص طور سے ایک لڑکی اس کی بہت دیوانی ہوجاتی ہے ۔ سید صادق کی حرکتوں سے تنگ ہوجاتا ہے اس کو سمجھاتا ہے کبھی اس سے لڑ بھی لیتا ہے لیکن صادق اپنی روش پر بے فکری کے ساتھ چلتا رہتا ہے سید چونکہ جانتا ہے کہ صادق اس سے بے پناہ محبت رکھتا اس لئے وہ صادق کو برداشت کرلیتا ہے ۔ کالج میں اور دوسرے دوست غلام ، صدیقی ، بیگ ، رام وغیرہ بھی صادق کے بہت قریب ہوجاتے ہیں ۔ BSc. کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد کالج تو ختم ہوجاتا ہے مگر صادق ، سید ، غلام ، صدیقی ، بیگ ، رام کی دوستی ختم نہیں ہوتی ادھر سید کی شادی کی بات چل پڑتی ہے اس کے لئے کئی ایک لڑکیاں دیکھی جاتی ہے خود صادق بھی ایک لڑکی جبین کو سید کے لئے دیکھنے جاتا ہے سید کے کہنے پر اور اس کو پسند کر کر سید سے اس سے شادی کرلینے کی تجویز رکھتا ہے جسے بعد میں قبول کرلیا جاتا ہے ۔ سید اور جبین کی شادی صادق کی شادی کے 4 روز بعد ہوجاتی ہے ۔ دونوں دوست اپنی ازدواجی زندگی میں مصروف ہونے کے باوجود ملتے رہتے ہیں ۔ سید روزگار کے لئے ملک سے باہر چلا جاتا ہے کچھ دنوں بعد صادق بھی ملک چھوڑ کر باہر جاتا ہے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ۔ سید اور صادق ملک سے باہر رہنے

کے بعد کچھ وقفہ سے وطن واپس لوٹتے ہیں۔ ان کی شادی کے تقریباً 20 سال گزر جاتے ہیں ہر دو صاحب اولاد ہوجاتے ہیں۔ سید کی بیوی جبین جو ایک بے حد خوبصورت عورت ہے اچانک بیمار پڑجاتی ہے صادق اپنی بیوی کے ساتھ اس کی عیادت کو جاتا ہے۔ صادق کو یہ نہیں معلوم کے سید کی بیوی صادق میں دلچسپی لینے لگی۔ وہ فون پر اس کی خیریت دریافت کرتا ہے۔ سید کی بیوی جبین فون پر صادق سے گھنٹوں بات کرنے لگتی ہے۔ صادق اس کی باتوں کو کوئی نام دینے سے قاصر ہے۔ کیوں کہ صادق اس نظریہ سے کبھی بھی جبین کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ جبین اس کے دوست کی بیوی تھی اس کو وہ کیسے بری نظر سے دیکھ سکتا تھا۔ مگر صادق کے دل میں جبین کے لئے کوئی بات ہوتی تو وہ سید سے اس کی شادی نہ ہونے دیتا اور خود اس سے شادی کرلیتا کیوں کہ ابھی صادق کی بھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت جس وقت وہ پہلی بار جبین کو دیکھا تھا۔ دوسری خاص بات یہ تھی کہ سید سے پہلے وہ جبین کو دیکھا تھا۔ سید سے یہ کہہ سکتا تھا کہ لڑکی اچھی نہیں ہے تم شادی مت کرو وغیرہ اور بعد میں اپنے رشتے کی بات چلاتا لیکن ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ شادی کے بعد بھی سید کی بیوی جبین سے صادق کے کئی ملاقاتیں ہوئیں مگر صادق نے کبھی اس نظر سے اس کو نہیں دیکھا آج جب کے شادی ہوکر 20 سال گزر گئے جوانی رخصت ہورہی ہے گھربال بچوں سے بھرا ہوا ہے بچے شادی کے لائق ہوگئے ہیں یہ اچانک جبین کا صادق میں دلچسپی لینا سمجھ سے باہر ہے صادق حالانکہ سید سے کم خوبصورت ہے۔ سید بہت اسمارٹ لڑکا ہے آج بھی وہ اسمارٹ دکھائی دیتا ہے جبکہ صادق میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ صادق یہ سوچ رہا ہے کہ شاید سید کی بیماری (دل کی بلڈ پریشر کی گھٹنوں کی) سے اکتا کر جبین صادق میں دلچسپی لینے لگی ہے۔ کیوں کہ صادق کافی صحت مند شخص ہے اور وہ اپنی صحت کے کافی نمونے پیش کرچکا ہے اس سے ہٹ کر صادق ایک زندہ دل باتونی حد سے زیادہ پڑھا لکھا شخص ہے جبین کا تھکاؤ صادق کی طرف شاید ان باتوں سے ہوا ہو۔ بحر حال بات کچھ بھی ہو صادق بہت پریشان ہے ایک طرف برسوں کی دوستی اور دوسری طرف عشق صادق جبین کا۔ صادق لا ابالی اور عورت کے معاملہ میں بہت وسیع دل رکھتا ہے مگر ایک دوست کی بیوی سے عشق یا محبت کرنا اسے گوارا نہیں۔

جبین اس کو طرح طرح سے راغب کرتی اپنی طرف صادق بھی آخر ایک انسان ہے

کوئی فرشتہ نہیں اس کی باتوں میں آکر اس سے دل لگا بیٹھتا ہے اس کی دلجوئی کی باتیں کرتا ہے ورنہ جبین اس سے ناراض ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر آپ مجھ سے بے پرواہ جائیں گے تو میں کچھ بھی کرلونگی اس وارننگ کے بعد صادق بادل ناخواستہ اس سے گھنٹوں بات کرتا ہے۔ اور اس کی دلجوئی کرتا ہے اس کا مقصد جبین کی نادانی سے سید کا گھر برباد نہ ہو۔ بس جبین کوئی غلط قدم نہ اٹھائے۔ زندگی سے مایوس نہ ہوجائے اس کو زندگی زندہ دلی سے گزارنے کی تلقین کرتا ہے۔ جبین سے باتیں کرتے کرتے صادق کا دل بھی جبین میں دلچسپی لینے لگتا ہے اور یہ باتوں کا سلسلہ آہستہ آہستہ پیار محبت عشق میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ اب دونوں ایک دوسرے کے بغیر زندگی گزارنا دشوار سمجھتے ہیں۔ مگر سماجی رکاوٹوں اور معاشرہ کے پیش نظر دور سے ہی ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔
ادھر سید کو اس بات کا کچھ کچھ پتہ چل جاتا ہے وہ صادق سے دور ہوتا ہوا نظر آتا ہے حالانکہ صادق کبھی بھی دست درازی سے کام نہیں لیا وہ محبت کو ایک پاک جذبہ سمجھ کر آگے بڑھتا ہے۔ وہ کوئی گناہ کرنا نہیں چاہتا۔ وہ جبین سے کہتا ہے کہ اگر تم مجھ سے عشق صادق کرتی ہو تو تم طلاق لے لو میں تم سے نکاح کرلونگا۔ گناہ سے یہ بہتر ہوگا۔ جبین اس بات کے لئے اپنے میں ہمت کی کمی محسوس کرتی ہے۔ صادق کہتا ہے کہ اگر تم میرے نکاح میں نہیں آنا چاہتی ہو تو پھر مجھ سے کیا چاہتی ہو۔ جبین کہتی ہے کہ مجھے آپ اپنا پیار دیتے رہئے میرے لئے یہ ہی کافی ہے۔ طلاق اور نکاح کی کیا ضرورت ہے۔ صادق ان باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

محبت کے کئی ایک تکون صادق نے بھی دیکھے ہیں مگر خود ایک تکون کا سرا بن جائے گا اس نے ایسا نہیں سوچا۔ بحر حال عشق و محبت عورت و مرد میں ہی ہوا کرتا ہے جو دیوانگی کے حدوں کو پار کرجاتا ہے صادق اور جبین ان حدوں میں داخل تو ہوچکے ہیں لیکن ان کی یہ دیوانگی کہاں تک صحیح ہے یا غلط ہے اپنی جگہ ایک اہم سوال ہے۔ سماج کے اصولوں کو توڑ کر کیا وہ ایک نئے باب کا آغاز کریں گے محبت کے میدان میں یا پھر ایثار و قربانی سے کام لیتے ہوئے دوستی اور گرہستی کو پیش نظر رکھکر اس کو اہمیت دیں گے یہ تو وقت ہی بتائے گا۔ عشق صادق ہے تو نہ ڈرے گا اور نہ ہی جھکے گا۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

صادق اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے جبین سے کم بات کرتا ہے اس کو کم وقت دیتا ہے۔ جبین بہت پریشان رہتی ہے ایک روز اس نے صادق سے پوچھ ہی لیا کہ وہ کیوں

آج کل مختصر مختصر بات کر کر چلا جاتا ہے ۔ 3 سال پہلے والا صادق کہاں گیا جو مجھ سے گھنٹوں باتیں کیا کرتا تھا ۔ صادق کہتا ہے کہ تم میری باتوں پر عمل نہیں کر رہی ہو میں ایک Practical آدمی ہوں میں ہوا میں پیار نہیں کرنا چاہتا میں اپنے معشوق کو اپنی باہوں میں لینا چاہتا ہوں اس زندگی کے جو ایک بار ملتی ہے اسے پوری طرح لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں تم راضی نہیں ہو رہی ہو نہ طلاق لیتی ہو نہ مجھ سے نکاح کرتی ہو اور نہ ہی کوئی دوسری صورت نکالتی ہو عملی ملاپ کی ۔ جبین کہتی ہے کہ آپ بہت بے مروت ہیں آپ نہیں جانتے کہ آپ مجھ سے مختصر بات کرتے ہیں تو مجھے کتنی پریشانی ہوتی ہے ۔ میں آج کل آپ کے خیالوں میں اتنا کھوگئی ہوں کہ مجھے سید کے چہرے میں بھی آپ کا چہرہ دکھائی دے رہا ہے ۔ میں جہاں جاتی ہوں آپ کا خیال ستاتے رہتا ہے ۔ آپ مجھ پر بری طرح چھاگئے ہیں میں نہیں سمجھی تھی کہ کوئی مرد مجھ پر اس طرح چھائے گا ۔ صادق پوچھتا ہے کہ جبین بتاؤ میرے چہرے میں ایسی کیا بات ہے جو تم کو ہر وقت نظر آتے رہتا ہے وہ کہتی ہے کہ یہ میں نہیں بتا سکتی مگر ایسا ہو رہا ہے ۔ صادق کہتا ہے اسی کا نام عشق صادق ہے جبین ایک سرو قد کی عورت ہے بہت دلکش چہرہ غزالی آنکھیں بھرے بھرے ہونٹ چوڑی چکلی صورت مسکراتی ہے تو چہرہ کھل اٹھتا ہے ۔ باتیں کرتی ہے تو اس کے گالوں میں ہلکے گڑھے پڑتے ہیں جس میں کوئی بھی مرد آسانی سے گر سکتا ہے ۔ ادائی ایسی مستی بھری کے پس دیکھتے رہنے کو جی چاہتا ہے کہ نظر جھکی تو ادا اٹھی تو ادا خاموش رہی تو ایک ادا ہوئی بولی تو ایک ادا مسکرائی تو قیامت شوقی پر آگئی تو مردہ دل میں جان ڈال دے روتے کو ہنسادے اس کو شعر و شاعری سے بہت لگاؤ تھا صادق بہت مشہور شاعر تھا اس پر کئی شعر موزوں کر کر پڑھ کر اس کو سناتا تھا ۔ ایک روز وہ پانی میں بھیگی بھیگی نظر آئی تو صادق نے اس پر ایک بھرپور غزل اس کے لباس کو مد نظر رکھکر لکھ دی وہ بہت خوش ہوئی کچھ گھبرائی کچھ شرمائی لیکن پوری غزل توجہ سے سنی ۔

صادق اپنے نام کے مطابق ہمیشہ سچ بولتا تھا ۔ جبین کا قصہ بھی وہ اپنی بیوی سے نہیں چھپایا صادق کا خیال تھا کہ شریک حیات سے دھوکا کرنا گناہ ہے اس لئے وہ اپنی شریک حیات کو جبین کے بارے میں سب کچھ بتادیا ۔ صادق کی بیوی جبین سے کئی بار مل چکی ہے مگر جب جبین کو صادق میں دلچسپی لیتے ہوئے دیکھی تو اسے یقین نہیں آیا ۔ صادق نے ایک روز موقع سے سے اپنی اور جبین کی گفتگو کے وقت اس کو بلا لیا اور

پردے کی آڑ سے تمام باتیں سننے کو کہا۔ جبین نے صادق کو کئی شعر سنائے صادق کو شعر سنانے کی درخواست کی اور کئی شعر سنے۔ پیار و محبت کے بیشمار باتیں کی تقریبا ہر ملاقات 1/2 گھنٹہ سے زائد رہتی اور ایک تاریخی ملاقات دونوں کی 1/2۔2 گھنٹے سے زائد رہی۔ مگر صادق نے کبھی دست درازی نہیں کی وہ جانتا تھا کہ وہ اس کے دوست کی بیوی ہے لاکھ وہ محبوب صحیح مگر ہے تو پرائی۔ جبین کے بہت قریب آنے پر بھی وہ ضبط و تحمل سے کام کیا وفور جذبات میں بات صرف ایک دو پیار تک ہی محدود رہی مگر اس سے آگے نہیں بڑھی کیوں کہ صادق اپنے اصولوں پر سختی سے پابند تھا وہ کہتا تھا کہ تم طلاق لو میں نکاح کرلونگا۔ جبین ہمت نہیں کررہی تھی۔ ایک روز صادق نے جبین سے کہا کہ وہ اپنی بیوی سے جھوٹ نہیں بولتا اس لئے وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جس پر جبین نے اعتراض کیا اور کہا کہ اس کو نہیں بولنا چاہیے تھا۔ مگر صادق کی صداقت کی وہ قایل ہوگئی۔ صادق جبین سے کہتا کہ وہ اس کا انتظار نہ کرے اس کے لئے بے چین نہ رہے اگر میں نہیں مل سکا تو جی ہلکا نہ کرے۔ صادق اس کو بعض وقت رائے دیتا کہ اب ہمارا آگے بڑھنا نا ممکن ہے۔ اس لئے اس سے پہلے کے بات اور آگے بڑھے میں واپس جانا چاہتا ہوں جس راہ پر میں چل رہا ہوں اس پر جبین کہتی ہے کہ آپ کے پیار میں جان نہیں ہے" بات کچھ آگے بڑھی کی نہیں آپ اس کو ختم کردینا چاہتے ہیں۔ میرے لئے تو نا ممکن ہے جبین کہتی ہے واپس لوٹنا میرے لئے نا ممکن ہے۔ آپ نہیں آتے ہیں نہیں ملتے ہیں۔ بات نہیں کرتے ہیں تو میں پریشان ہوجاتی ہوں۔ اب آپ واپس چلے جانے کی بات کرتے ہیں۔ آپ کو میری ذرا پرواہ نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ صادق سمجھتا ہے کہ وہ Practical آدمی ہے۔ وہ ہر کام جو ہاتھ میں لیتا ہے اس کو پورا کرتا ہے جبین کہتی ہے کہ آپ مایوس مت ہوئیے گا۔ جب بھی حالات سازگار ہوجائیں گے ہم عملی قدم اٹھاکر اپنے پیار کو امر کردیں گے جی ہاں امر کردیں گے جبین کے اس وعدے پر صادق بھروسہ کرکے دن گزارتا رہتا ہے۔

4 سال طویل انتظار کے بعد دونوں تنہائی میں 1/2۔2 گھنٹے ملتے ہیں لیکن عملی بات ابھی بھی نہیں ہوتی ہے خواب میں جس طرح ملتے ہیں وہ لوگ 2 گھنٹے ویسے ہی ملتے ہیں دور دور دور دور رہکر۔ بحر حال سید صادق اور جبین کا یہ تکون کیا رنگ لائے گا یہ وقت ہی بتائے گا۔ فی الوقت صادق جبین مل رہے ہیں۔ دل لگا رہے ہیں۔ عشق اس لئے پورے شباب پر ہے مگر دور دور دور دور۔ قربت کا انتظار ہے۔ انتظار ہے انتظار ہے۔۔۔

حضرت سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کی ادبی خدمات

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق
ریسرچ اسکالر

صدر ادارہ ادب صادق
پرنسپال، سینٹ صادق اسکول

کسی بھی زبان کی ترقی کا دارومدار زبان کو عام فہم بنا کر عوام کے سامنے پیش کرنے پر ہوتا ہے۔ اور یہ کام ادیبوں شاعروں اور سماج کے زمہ دار دانشوروں۔ صوفیوں۔ مفکروں کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔

جہاں تک اردو زبان کی ابتداء اور ترقی کا سوال ہے یہ بات بالکل واضح ہے کہ کے اس کی ابتداء اور ترقی دکن کے صوفیوں اور شاعروں و ادیبوں سے ہی ہوئی۔

اردو کی ابتداء: دراصل مختلف زبانوں کے آپس میں مل جانے سے اور الفاظ کے ایک سے دوسری زبان میں جذب ہوجانے سے ہوئی۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب ہندوستان پر آریوں نے شمالی حصہ پر قبضہ کرلیا تو وہاں کے دراوڑی لوگ دکن کی طرف نکل پڑے جن کی زبان تامل۔ اڑیا اور تلگو وغیرہ تھی۔

آریاؤں نے جو فاتح تھے مفتوح کی زبان سے مغلوب نہ ہو کر اپنی ایک زبان سنسکرت کو عام کرنے کی کوشش کی لیکن سوائے راجہ بکرماجیت کے دور کے سنسکرت کبھی ترقی نہیں کر سکی یہ سنسکرت زبان یہاں کے مقامی زبانوں سے ملکر ایک نئی شکل اختیار کرلی جس کو پراکرت کہتے ہیں۔

پروفیسر ویبر کی تحقیقات کی رو سے چھٹویں صدی میں تقریبا بیس (۲۰) سے زیادہ پراکرت زبانیں بولی جاتی تھیں ان میں سے چند مشہور زبانیں "پالی"، "جینی"، "مہاراشٹری" "ہندی اور شورا سنی تھیں۔

ہندوستان میں اسلامی حکومت کا آغاز ۹۲ھ میں ہوچکا تھا سندھ اور شمالی ہند پر صدیوں حکومت کرنے کے بعد اردو کی ابتداء کے تعلق سے مختلف محققین کا خیال ہے کہ یہ پنجاب سے یا سندھ سے دوآبہ گنگا جمنا سے یا پھر دکن سے ابتداء ہوئی۔ بحر حال یہ طے ہے کہ ہندوستان ہی میں اردو کی ابتداء ہوئی ہندو اور مسلم کے باہمی اتحاد سے ہی یہ زبان وجود میں آئی ان کا آپس میں میل جول اس کی ترقی کا خاص سبب بنا۔

جہاں تک دکنی میں اردو کی ابتداء اور ترقی کا سوال ہے یہ بہت ہی اہم سوال ہے دکن میں اردو ادب کی ترقی میں مختلف حکومتوں نے اپنا اپنا دور بخوبی نبھایا ہے مثال کے طور پر دکن کے چند حکومتیں یہ ہیں۔ بہمنی (Bahmani) حکومت۔ عادل شاہی حکومت۔ قطب شاہی حکومت۔ مغل حکومت۔ پھر آخر میں برٹش دور اور سلطنت آصفیہ قابل ذکر ہیں۔

ہم اس بات کو مد نظر رکھیں کے ہر دور میں اور ہر حکومت میں اردو کو جہاں شاہوں نے ترقی دی ہے وہیں پر ادیب شعراء کرام صوفی دانشور اور مفکروں نے بھی اس کی ترقی میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔

بہمنی دور (Bahmani Dynasty)۔

۱۳۵۰ سے ۱۵۲۵ء۔

علاالدین خلجی کے (۳۰) سالہ شاندر دور اور بعد میں سلطان محمد تغلق کا جو دور شروع ہوا اسی دور میں دکن میں امراء نے دو سال کی جدوجہد کے بعد اپنی اپنی حکومتوں کا اعلان کیا حسن خان المخاطب ظفر خان علاء الدین۔ بہمنی شاہ کے خطاب سے دکن کا خود مختار حاکم بن بیٹھا اور تقریبا دو سو سال تک اس خاندان کے ۱۸ بادشاہوں نے گلبرگہ اور بیدر میں حکمرانی کرتے رہے۔ اس کے وصال کے بعد دکن سے پانچ حکومتیں گولکنڈہ، بیجاپور۔ احمد نگر۔ برار اور بیدر قائم ہوئی۔ بہمنی سلطنت کا سب سے مشہور بادشاہ فیروز شاہ بہمنی گزرا ہے۔ جس کے دور میں نہ صرف حکومت کافی وسعت اختیار کرلی تھی بلکہ اردو ادب بھی کافی فروغ پایا۔ یہ وہ دور تھا جب بہمنی حکومت پورے دکن پر قابض ہوکر جو بحرہ عرب سے بحرہ بنگال تک کا علاقہ تھی اردو زبان اور ادب کا سکہ اس وسیع علاقہ پر تیزی سے پھیلتا گیا۔ بہمنوں کی ادب پروری کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے انھوں نے کئی ادیبوں شاعروں اور صوفیوں کی سرپرستی فرمائی۔ جس کی وجہ سے اس کے دور میں اردو ضبط تحریر میں آئی اس وقت تک اردو صرف بول چال کی زبان تھی۔ جس طرح اکبر بادشاہ۔ محمد قلی قطب شاہ ابراہیم عادل شاہ بین قومی تمدن کو رائج کرنے میں شہرت رکھتے ہیں اس طرح فیروز شاہ بہمنی بھی علم و فضل اور شعر و سخن کے علاوہ بین قومی تمدن کو واضح کرنے میں کافی مشہور ہے اور دراصل اسی کے عہد سے ہمیں اردو کی نثر و نظم کا پتہ چلتا ہے اور اس کا پایہ تخت گلبرگہ دکن میں اردو کا پہلا مرکز تھا۔

سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (۱۳۲۱ء تا ۱۴۲۲ء)

سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسودراز فیروز شاہ بہمن کے دور میں دکن تشریف لائے آپ کا بادشاہ نے خود استقبال کیا اور گلبرگہ سے آیا آپ فیروز شاہ بہمنی کے دور میں تشریف لائے فیروز شاہ بہمنی جو خود ایک بہت ذہین بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ ادیب و شاعر تھا اور عروجی تخلص کیا کرتا تھا بہت ہی ادب دوست اور صوفیوں اور شاعروں کی سرپرستی کرنے میں شہرت رکھتا تھا۔ بحرحال حاکم وقت ہی ادیب شاعر ہو تو پھر زبان کی ترقی میں تیزی آجاتی ہے۔ فیروز شاہ بہمن کا دور اس واسطے تاریخ میں سنہری الفاظ سے لکھا جائے گا۔ اس دور میں اردو زبان کی اور ادب کی بے پناہ ترقی ہوئی اور اردو زبان ضبط تحریر میں آئی۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز جو ایک بہت بڑے عالم فاضل صوفی تھے[1] اپنے وقت کے بہت مشہور بزرگ بھی تھے آپ ہندو مسلمان ہر ایک کو بہت چاہتے تھے جس کی وجہ سے آج بھی آپکی مزار پر بلا لحاظ مذہب و ملت لوگ ادبا حاضری دیتے ہیں آپ کے کئی کرامات بھی کافی مشہور ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ آپ سلطنت بہمنیہ کے دور میں فیروز شاہ بہمنی کے عہد میں گلبرگہ تشریف لائے تھے۔ آپ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ علم دین کی اشاعت کے لئے جہاں آپ نے سرگرم حصہ لیا وہیں پر آپ نے اردو کی تصنیف و تالیف کا بھی کارنامہ ہائے انجام دیا۔[2] آپ دین کی اشاعت کے لئے جب کبھی بھی ضرورت پڑتی عربی اور فارسی سے ناواقف لوگوں کے لئے دکن زبان یعنی "اردو" کی مدد لیتے اور اکثر و بیشتر اپنے واعظ اور بیان میں دکنی زبان "اردو" کا استعمال کرتے۔ ظہر کی نماز کے بعد آپ دین کی اشاعت کے کام کے لئے اردو میں وعظ فرماتے۔ اسلامی اصولوں اور بنیادی اخلاقات کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے۔ بھائی چارگی محبت خلوص اور انسانیت کا سبق دیتے۔

بادشاہ وقت کے مزاج کے مطابق آپ دین کی اشاعت کا کام دکنی زبان اردو میں کرنے لگے۔ اور کئی کتابیں تصنیف فرمائیں آپ بہ ذات خود ایک اچھے ادیب و شاعر تھے۔ آپ اپنا تخلص، شہباز فرماتے تھے۔ آپکا نام جہاں اسلام میں ایک مشہور صوفی کی حیثیت سے جانا جاتا ہے وہیں "اردو ادب" میں بھی سنہری الفاظ سے لکھا گیا ہے "آپ اردو کے پہلے نثر نگار اور پہلے شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ آپ کی چند مشہور تصانیف کا یہاں پر مختصرا ذکر کیا جائے گا۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز (حضرت سید محمد حسینی) ۸۱۵ ھ میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کے دور میں گلبرگہ تشریف لائے اور تاحیات یہیں پر رہے آج بھی آپکا مزار شریف

گلبرگہ میں موجود ہے جہاں ہر سال عرس شریف پابندی سے ہوا کرتا ہے۔ آپ بہت ہی پائے کے عالم تھے آپ نے جہاں کو انسانیت کا سبق دیا وہیں پر دین کی اشاعت اور اردو ادب و زبان کی ترقی کے لئے پہل کی۔ آپ کی تصانیف جن کا اب ہم ذکر کرنے والے ہیں دکنی زبان کی اپنی آپ مثال ہیں آپ نے بہت ہی سادہ الفاظ اور جلد سمجھنے والے متن کو بڑی اچھی طرح سے پیش کیا ہے۔ آپ اردو ادب کے پہلے ناشر قرار دیئے گئے ہیں۔ آپ نے تصنیف و تالیف کا کام بڑی خوبی سے انجام دیا ہے۔ جو لوگ آپ کی طرف رجوع ہوئے تھے ظاہر ہے کہ وہ یہیں کے رہنے والے تھے یعنی دکنی تھے اور عربی اور فارسی سے واقف نہیں تھے اس لئے آپ وعظ بھی دکنی زبان میں فرماتے تھے۔ علم تصوف حدیث اور سلوک کا درس بھی دکنی زبان میں دیا کرتے تھے۔ آپ نے انہی لوگوں کے لئے چند تصانیف مرتب فرمائیں جن کا ہم ذکر کریں گے۔ مختصراً تاکہ یہ مقالہ طوالت نہ اختیار کر جائے۔

حضرت سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی تصانیف

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی جن کی تصانیف کا پتہ چلتا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) معراج العاشقین۔ ہدایت نامہ۔ تلاوت الوجود۔ شکار نامہ۔ اور رسالہ سہ بارہ وغیرہ ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی نظمیں بھی لکھیں ہیں جن میں قابل ذکر "راگ راگنیاں اور چکی نامہ ہے جو مختلف کتب خانوں کے بیاضوں میں آج تک بھی محفوظ ہے۔

اب ہم اس عظیم صوفی اور بزرگ ہستی کے چند نثری نمونوں اور نظموں پر غور کریں گے زبان کتنی سلیس اور شائستہ استعمال ہوئی ہے اس کا اندازہ انکو پڑھکر ہی ہوسکتا ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز کی تصانیف میں سے عبارت کا ایک نمونہ پیش خدمت ہے۔

جس سے قدیم ترین اور نثر کا پتہ چلتا ہے۔

نثری نمونہ:

انسان کے بوجنے کو پانچ تن۔ ہر ایک تن کو پانچ دروازے ہیں، ہور پانچ دربان ہیں۔ پہلا تن واجب الود مقام اس کا شیطان نفس اس کا اجارہ۔ یعنیے واجب کی اک سوں غیر نہ دیکھان سو حرص کے کان سوں غیر نہ سننا ہو۔ حد تک سوں بد بولی نہ نیا سوں۔ کینہ کی شہور کو غیر جاکھ نہ خرچنا سو۔ پیر طبیب کامل ہونا۔ بنض بچھان کر دوا دینا۔"

سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسودراز فیروز شاہ بہمن کے دور میں دکن تشریف لائے آپ کا بادشاہ نے خود استقبال کیا اور گلبرگہ سے آیا آپ فیروز شاہ بہمنی کے دور میں تشریف لائے۔ فیروز شاہ بہمنی جو خود ایک بہت ذہین بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ ادیب و شاعر تھا اور عروجی تخلص کیا کرتا تھا بہت ہی ادب دوست اور صوفیوں اور شاعروں کی سرپرستی کرنے میں شہرت رکھتا تھا۔ بحرحال حاکم وقت ہی ادیب شاعر ہو تو پھر زبان کی ترقی میں تیزی آجاتی ہے۔ فیروز شاہ بہمن کا دور اس واسطے تاریخ میں سنہری الفاظ سے لکھا جائے گا۔ اس دور میں اردو زبان کی اور ادب کی بے پناہ ترقی ہوئی اور اردو زبان ضبط تحریر میں آئی۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز جو ایک بہت بڑے عالم فاضل صوفی تھے اپنے وقت کے بہت مشہور بزرگ بھی تھے آپ ہندو مسلمان ہر ایک کو بہت چاہتے تھے جس کی وجہ سے آج بھی آپکی مزار پر بلالحاظ مذہب و ملت لوگ ادبا حاضری دیتے ہیں آپ کے کئی کرامات بھی کافی مشہور ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ آپ سلطنت بہمنیہ کے دور میں فیروز شاہ بہمنی کے عہد میں گلبرگہ تشریف لائے تھے۔ آپ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ علم دین کی اشاعت کے لئے جہاں آپ نے سرگرم حصہ لیا وہیں پر آپ نے اردو کی تصنیف و تالیف کا بھی کارنامہ ہائے انجام دیا۔ آپ دین کی اشاعت کے لئے جب کبھی بھی ضرورت پڑتی عربی اور فارسی سے ناواقف لوگوں کے لئے دکن زبان یعنی "اردو" کی مدد لیتے اور اکثر و بیشتر اپنے واعظ اور بیان میں دکنی زبان "اردو" کا استعمال کرتے۔ ظہر کی نماز کے بعد آپ دین کی اشاعت کے کام کے لئے اردو میں وعظ فرماتے۔ اسلامی اصولوں اور بنیادی اخلاقات کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے۔ بھائی چارگی محبت خلوص اور انسانیت کا سبق دیتے۔

بادشاہ وقت کے مزاج کے مطابق آپ دین کی اشاعت کا کام دکنی زبان اردو میں کرنے لگے۔ اور کئی کتابیں تصنیف فرمائیں آپ بہ ذات خود ایک اچھے ادیب و شاعر تھے۔ آپ اپنا تخلص، شہباز فرماتے تھے۔ آپکا نام جہاں اسلام میں ایک مشہور صوفی کی حیثیت سے جانا جاتا ہے وہیں "اردو ادب" میں بھی سنہری الفاظ سے لکھا گیا ہے "آپ اردو کے پہلے نثرنگار اور پہلے شاعر کی حیثیت سے جاتے جاتے ہیں۔ آپ کی چند مشہور تصانیف کا یہاں پر مختصرا ذکر کیا جائے گا۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز (حضرت سید محمد حسینی) ۸۱۵ ھ میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کے دور میں گلبرگہ تشریف لائے اور تاحیات یہیں پر رہے آج بھی آپکا مزار شریف

گلبرگہ میں موجود ہے جہاں ہر سال عرس شریف پابندی سے ہوا کرتا ہے۔آپ بہت ہی پائے کے عالم تھے آپ نے جہاں کو انسانیت کا سبق دیا وہیں پر دین کی اشاعت اور اردو ادب و زبان کی ترقی کے لئے پہل کی۔آپ کی تصانیف جن کا اب ہم ذکر کرنے والے ہیں دکنی زبان کی اپنی آپ مثال ہیں آپ نے بہت ہی سادہ الفاظ اور جلد سمجھنے والے متن کو بڑی اچھی طرح سے پیش کیا ہے۔آپ اردو ادب کے پہلے ناشر قرار دیئے گئے ہیں۔آپ نے تصنیف و تالیف کا کام بڑی خوبی سے انجام دیا ہے۔جو لوگ آپ کی طرف رجوع ہوئے تھے ظاہر ہے کہ وہ یہیں کے رہنے والے تھے یعنی دکنی تھے اور عربی اور فارسی سے واقف نہیں تھے اس لئے آپ وعظ بھی دکنی زبان میں فرماتے تھے۔علم تصوف حدیث اور سلوک کا درس بھی دکنی زبان میں دیا کرتے تھے۔آپ نے انہی لوگوں کے لئے چند تصانیف مرتب فرمائیں جن کا ہم ذکر کریں گے۔مختصراتا کہ یہ مقالہ طوالت نہ اختیار کرجائے۔

حضرت سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی تصانیف

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی جن کی تصانیف کا پتہ چلتا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) معراج العاشقین۔ہدایت نامہ۔تلاوت الوجود۔شکار نامہ۔اور رسالہ سہ بارہ وغیرہ ہیں۔اس کے علاوہ بہت سی نظمیں بھی لکھیں ہیں جن میں قابل ذکر "راگ راگنیاں اور چکی نامہ ہے جو مختلف کتب خانوں کے بیاضوں میں آج تک بھی محفوظ ہے۔

اب ہم اس عظیم صوفی اور بزرگ ہستی کے چند نثری نمونوں اور نظموں پر غور کریں گے زبان کتنی سلیس اور شائستہ استعمال ہوئی ہے اس کا اندازہ انکو پڑھکر ہی ہوسکتا ہے۔حضرت خواجہ بندہ نواز کی تصانیف میں سے عبارت کا ایک نمونہ پیش خدمت ہے۔

جس سے قدیم ترین اور نثر کا پتہ چلتا ہے۔

نثری نمونہ:

انسان کے بوجنے کو پانچ تن۔ہر ایک تن کو پانچ دروازے ہیں، ہور پانچ دربان ہیں۔پہلا تن واجب الود مقام اس کا شیطان نفس اس کا اجارہ۔یعنیے واجب کی اک سوں غیر نہ دیکھان سو حرص کے کان سوں غیر نہ سننا ہو۔حد تک سوں بد بولی نہ نیا سوں۔کینہ کی شہور کو غیر جاکھ نہ خرچنا سو۔پیر طبیب کامل ہوتا۔بنض بچھان کر دوا دینا۔"

(دکن ادب کی تاریخ ڈاکٹر محی الدین قادری زور)

اب آپ اس نثر سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس طرح عام فہم الفاظ میں جو آج بھی رائج ہیں حضرت خواجہ بندہ نواز سے تحریر فرما کر نہ صرف انسانیت کا اور دینی سبق دیا ہے بلکہ اردو ادب پر بھی ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔

اسے ہٹ کر آپ کی تحریر کے چند اور نمونے پیش ہیں۔

"بنی کہے تحقیق خدا کے درمیان تے ستر ہزار پردے اوجیا سے کے ہور اندھیار کے اگر اس میں تے یک پردہ اٹھے جاوے تو اس کی آنچ تے میں جلوہ اور ایک وقت ایسا ہوتا ہے اور دیکھ بے پردے اندھیارے کے اوجیالے کے عارفان پر ہے و املان پر پردے نورانی۔ دے واملان کا صف پردا ہوتا ہے۔ محمد کا نور اے عزیز انا اول ربوبیت کا پردہ سوائے تن جمالی جسم کے پردے کو انڑے باج اس جمالی الوہت کے پردے ممکن الوجود کو انپڑ سکے (معراج العاشقین)

(دکن میں اردو۔ مولانا نصیر الدین ہاشمی

تو اس طرح ان دو نثری نمونوں کو دیکھکر پتہ چلتا ہے کہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اردو ادب کے سب سے پہلے نثر نگار تھے۔

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ایک شاعر بھی تھے آپ شہباز تخلص فرماتے تھے۔ آپ کی چند نظمیں کافی مشہور ہیں جن میں چکی نامہ اور راگ راگنیاں بہت مشہور ہیں۔

یہاں پر ایک نظم کے چند شعر درج کئے جا رہے ہیں۔

کھڑے کھڑے پیو جیو میں آپیں آپ دکھاوے\
ایسے مٹھے معشوق کوئی کوئی کیوں دیکھ پاوے\
منہ دیکھے اسے کوئی نہ بھاوے\
کل سے محیط ہے اسے کون پچھانے\
جو کوئی عاشق اس پیو کے اسے جیو میں جانے\
اسے دیکھت گم رہے جیسے ہیں دیوانے\
خواجہ نصیر الدین جنے سائیاں پیو بنائے\
جیو کو گھونگھٹ کھول کر پیا مکھ آپ دکھانے

راکھ سید محمد حسینی پیو سنگھ کھسیانہ جائے

(از دکنی ادب کی تاریخ ڈاکٹر محی الدین قادری زور)

چکی نامہ: اس نظم میں بارہ بند ہیں۔ یہ مخطوط کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو میں موجود ہے۔ ڈاکٹر سید محی الدین زور نے اپنی کتاب "تذکرہ اردو مخطوطات میں اس کا تعارف کر دیا ہے۔

(دکن میں اردو۔ نصیر الدین ہاشمی)

آیئے اب ہم اس چکی نامے پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

نظم چکی نامہ

دیکھو واجب تن کی چکی پیو جاتر ہوکیں کی
سوکن بلیں کھینچ کھینچ تھکی کہے یا بسم اللہ، اللہ ہو
الف اللہ کا دستا نے محمد ہو کر بنا
پہنچی طلب۔ یوں کو دستا کہے یا بسم اللہ ہو اللہ
واَئے ہی سوچن چن لانا شاید باتوں سے لے کر بہانا
شریف سے چکی ہیں کہے یا بسم اللہ ہو اللہ
الف اللہ اس کا بالوں پیر و مرشد ملک جانو
پیو انا اس بے جہا تو کہے بسم اللہ ہو اللہ
لادم وجود باسن ہوتا اس تو یہ ستی دھونا
دار کی پائے سو اسلی کوہتنا کہے بسم اللہ ہو اللہ

(دکن میں اردو نصیر الدین ہاشمی)

اس طرح خواجہ بندہ نواز گیسو دراز پہلے نظم گو بننے کا صحرا اپنے سر لیتے ہیں آپ کی علمی ادبی خدمات کا محاصرہ کرنا بہت مشکل ہے پھر بھی میں نے چند محققین کی تصانیف کی مدد سے آپ کے ادبی خدمات کو یکجا کرنے کی کوشش ہے۔ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ خواجہ صاحب ایک اچھے شاعر بھی تھے اور شہباز تخلص فرماتے تھے۔

آیئے اب ان کی غزل کے کچھ اشعار پیش خدمت ہیں

توں تو سہی ہے کر نفس گھوڑا ساتوں
ناہو نرم تجہ اوپری پس پادے گا آزاد توں

تب قید گھوڈار آئے گا تجھ لا مکاں لے جائے گا
تب عشق جھگڑا پائے گا خوش مارے تلوار توں

دونوں رکاباں نیک و بدر رکھنا قدم تو ایک حد
تب ہو پری کا ایک جب تو ہا کا چابک ماتوں

وی کلا دل گیا ناکاچارا کھلا ایمان کا
انعام دے خوش دھیان کا باندا اپنے وارتوں

شہباز حسینی کھوتے کر ہر دو جہاں دل دھوکے کر
اللہ اپے یک ہوئے کر تب پاوے گا دیدار توں

(دکن میں اردو نصیر الدین ہاشمی)

یہ تھی مرصع غزل جو اردو ادب میں غزل کی ابتداء تھی آپ محترم اس طرح اردو ادب کے پہلے شاعر ہونے کے اعزاز کی حیثیت سے آپ تا قیامت یاد رکھے جائیں گے۔ حضرت کے علمی اور ادبی خدمات کے بارے میں راقم اتنا ہی کہے گا کہ جب ایسے متبرک ہاتھوں سے اردو نثر و نظم و غزل کی ابتداء ہوئی ہے۔ تو پھر اردو ادب کے فروغ اور اس کی ترقی اور تمام اصناف سخن میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔

آج اردو کے مخالف سارا زمانہ ہے۔ ہندوستان آزاد ہونے کے بعد اردو کی ترقی میں کئی

رکاوٹیں آئیں پھر بھی آج کے اس دور میں بھی اردو ادب اور اردو زبان اپنے طور پر نہ صرف باقی اور برقرار رہنے کی جدوجہد کررہی ہے بلکہ ترقی کرتی جارہی ہے ۔ یہ سب محترم صوفی اکرام اور خاص طور سے سید محمد حسینی حضرت خواجہ بندہ نواز جو اردو کے پہلے ادیب و شاعر ہیں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے ۔

آپ کے بعد بہمنی دور کے اور کئی مشہور صوفی اکرام شعراء اور ادیبوں نے اردو کی ترقی میں دن رات اپنی کوششیں جاری رکھیں جن میں قابل ذکر

حضرت سید اکبر حسینی

حضرت نظامی

حضرت شاہ صدر الدین

عبداللہ حسینی ۔ مشتاق ۔ طلفی ۔ شاہ میراں جی شمس العشاق اور اذائی ہیں ۔

یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور تاقیامت جاری رہے گا ہر دور میں اردو کے خدمت گزار پیدا ہوئے ہیں ۔ یہ مقالہ جو سید محمد حسینی عرف حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز کی ادبی خدمات پر لکھا گیا ہے اب اختتام کو پہنچتا ہے ۔

کتابیات : دکنی میں اردو (نصیر الدین ہاشمی)
دکنی ادب کی تاریخ (ڈاکٹر محی الدین قادری زور) وغیرہ

"رہبر دکن" و "رہنمائے دکن" کی ادبی خدمات کا جائزہ

خواجہ فرید الدین صادق
ریسرچ اسکالر
صدر ادارہ ادب صادق
پرنسپال سینٹ صادق ہائی اسکول

ہندوستانی صحافت کا آغاز (East India Co.) کے دور میں ابتدا انگریزی اخبار سے ۱۷۸۰ء میں ہوا۔

پہلا اردو اخبار "اخبار جہاں نما" ۱۸۲۲ء میں کلکتہ میں منظر عام پر آیا۔ اور صرف ۶ برس کے بعد بند ہوگیا۔ ۱۹۳۷ء میں مولانا محمد حسین آزاد کے والد محمد باقر نے دہلی سے دہلی اردو اخبار جاری کیا۔ اس طرح ہندوستان میں اردو اخبارات کی ابتداء ہوئی۔

حیدرآباد میں اردو صحافت کا اغاز ۱۸۵۵ء میں ایک طبی رسالے سے ہوا۔ اسر سالے کے ایڈیٹر ایک انگریز ڈاکٹر تھے۔ قاسم علی نجن لالہ (پروفیسر تاریخ جامعہ عثمانیہ) نے (Vistus of Modern Indian History) میں "آفتاب دکن" کو حیدرآباد کا پہلا روزنامہ قرار دیا ہے جو ۱۸۶۰ء میں قاضی محمد قطب کی ادارت میں جاری ہوا۔

بعض محققین نے "آصف الاخبار" کو حیدرآباد کا پہلا روزنامہ قرار دیا۔ یہ اخبار نارائن راؤ کی ادارت میں شائع ہوا کرتا تھا۔ اور بعض محققین نے "بزار داستان" کو پہلا روزنامہ قرار دیا ہے۔ جو ۱۸۸۳ء میں محمد سلطان عاقل کی ادارت میں جاری ہوا۔

۱۹۰۰ء تک "پیک آصفی" ایڈیٹر سید حسن، سفیر دکن ایڈیٹر امجد علی "مشیر دکن" ایڈیٹر کشن راؤ شائع ہوتے تھے۔

• سید احمد محی الدین (مرحوم) کی ادارت میں ۱۹۳۰ء میں روزنامہ "رہبر دکن" جاری ہوا جو پولیس ایکشن (Sep1948) تک شائع ہوتا رہا محمود وحید الدین رہبر دکن کے ایڈیٹر تھے۔

پولیس ایکشن کے بعد حیدرآباد کی نئی ملٹری حکومت نے اس پر پابندی لگادی۔ رہبر دکن کی دوبارہ جاری کرنے کی ساری کوششیں ناکام رہی محمد وحید الدین ایڈیٹر رہبر دکن کے نام پر کسی نئے اخبار اجرائی میں ممنوع قرار دی گئی۔ جس کی وجہ سے اس وقت مجبورا جناب منظور حسن صاحب کے نام پر "رہنمائے دکن" کی اجازت حاصل کی گئی۔ اس طرح یہ عظیم روزنامہ "رہنمائے دکن" جولائی ۱۹۴۹ء میں جاری ہوا۔ جناب سید منظور حسن صاحب ادارہ"

رہنمائے دکن، سے وابستہ رہے۔

اس اخبار کے مینجنگ ایڈیٹر Managing Editor کے فرائض سید محمود وحیدالدین صاحب ہی انجام دیتے تھے جو اس اخبار کے مالک بھی تھے۔

۱۹۷۰ء میں سید محمود وحیدالدین نے جناب سید لطیف الدین قادری کو رہنمائے دکن کی ادارت سپرد کی۔ جناب منظور حسن ۱۹۶۸ء میں سبکدوش ہوگئے تھے۔ ۲۰ جنوری ۱۹۸۴ء کو جناب سید وقارالدین صاحب روزنامہ "رہنمائے دکن" کے ایلایٹر مقرر ہوئے اور آج تک اس کے ایڈیٹر کی حیثیت سے بحسن اسلوبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

"رہنمائے دکن"، کے ابتدائی زمانے میں مستقل کالم کے طور پر روزانہ "سچی باتوں" کے عنوان سے شائع ہوا کرتا تھا۔ ہفتہ وار "ساقی لکھنو" ایڈیٹر عبدالماجد دریا بادی کا کالم ڈائجسٹ کیا جاتا تھا یہ اخبار سارے دکن میں بہت مقبولیت حاصل کرچکا تھا۔

سچی باتوں کے علاوہ مستقل کالموں میں تازہ ترین تار میں تازہ خبریں شائع ہوتی تھی۔" گھر کی باتیں" میں مقامی خبریں شائع ہوتی تھیں جسکو آج تک بھی شائع کیا جاتا ہے۔ اس عنوان سے۔ ہر پیر کو خصوص شمارہ شائع کیا جاتا تھا جو آج بھی جاری ہے۔ اور بہت مقبول سے پہلے صفحہ پر" رفتار سیاست" کے عنوان سے پورے صفحہ پر عالمی خبریں اور ہندوستانی یا پڑوسی ممالک سے متعلق اہم سیاسی مسائل کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا تھا جو آج بھی جاری ہے۔ دوسرے صفحہ پر مذہبی مضامین شائع ہوتے اور آج بھی ہورہے ہیں۔

مذہبی صفحہ پر مستقل کالم بھی اس وقت شائع ہوتے تھے اور آج بھی شائع ہوتے ہیں۔

اگسٹ ۱۹۶۷ء سے ڈسمبر ۱۹۷۶ء تک شعر و ادب کا صفحہ بھی شائع ہوتا رہا۔

"رہبر دکن" کے زمانے میں ایک مستقل کالم "رہبر و رہرو" کے نام سے روزانہ شائع ہوتا تھا۔ "رہنمائے دکن" میں بھی اس کالم کو "رہنما رہرو" کے نام سے جاری رکھا گیا ہے۔ اس کالم میں سنجیدہ ظرافت اور طنز کا پہلو نمایاں رہا۔ اس کالم کو شفیع الدین ناکارہ سلمان اطہر جاوید اراظہر الحق لکھتے ہیں۔

رہنمائے دکن اور اس کے پیشرو رہبر دکن نے ادبی سماجی سیاسی۔ ملی ثقافتی معاشری علمی و صحافی سرپرستی میں اپنا منفرد رول ادا کیا ہے جو ناقابل فراموش ہے اور قابل خراج تحسین ہے۔

رہبر دکن و رہنمائے دکن کے ادبی حدمت کو مندرجہ ذیل ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(ایڈیٹر)

پہلا دور ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۲ء تک	سید احمد محی الدین (مرحوم)

دوسرا دور ۱۹۴۲ء سے ۳۴۹۱ء	حامد محی الدین
تیسرا دور ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۸ء تک	سید محمد وحید الدین
چوتھا دور۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۸ء تک	منظور حسن (ادبی کالموں پر توجہ نہیں دی گئی)
پانچواں دور۔ ۹۵۹۱ء سے ۱۹۶۵ء تک	منظور حسن (ادبی کالموں پر توجہ دی گئی)
چھٹا دور۔ ۶۶۹۱ء سے ۱۹۷۶ء تک	(یہ رہنمائے دکن کی ادبی خدمات کا سنہرا دور تھا)
ساتواں دور ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۴ء تک	(ایڈیٹر سید لطیف الدین قادری ا اس دور میں بھی ادبی کالم شائع ہوتے رہے۔
آٹھواں دور ۱۹۸۴ء تا حال	(ایڈیٹر سید وقار الدین قادری صاحب)

ان تمام ادوار پر اگر تفصیلی کام کیا جائے تو ادب اور صحافت کی تاریخ میں ایک نمایاں کارنامہ ہوگا جس سے آنے والی نسلوں کو کافی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ احقر ان تمام ادوار پر تفصیلی کام کرنے کا خواہشمند ہے۔

نظیر اکبر آبادی

عوام کے شاعر۔ سیکولر شاعر۔ انسانیت کے شاعر

فن اور شخصیت

نظیر اکبر آبادی جنکا اصلی نام ولی محمد تھا اور تخلص نظیر ۱۷۴۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ لیکن آپ نے زندگی کا بڑا حصہ آگرہ میں گزارا۔ آپ اس وقت فارسی اور عربی میں تعلیم حاصل کی لیکن ہندی، مارواڑی اور پنجابی، بھاشا بھی جانتے تھے۔ آپ خوش نویسی میں ماہر تھے۔ ورزش، سپہ گری سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ کبوتر بازی اور تیراکی سے بھی دل بہلاتے تھے۔ آپ ایک منکر المزاج اور وسیع النظر انسان تھے۔ شوخی، ظرافت ان کے مزاج کا حصہ تھا۔ آپ کا حلقہ احباب کافی وسیع تھا۔ آپ کے دوست احباب میں امیر، غریب، ہندو، مسلم ہر مذہب کے لوگ تھے۔ آپ ایک سیکولر ذہن رکھتے تھے۔ آپ کے پاس کسی مذہب کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ آپ ہر مذہب کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ عوام میں بلالحاظ مذہب و ملت کے مشہور تھے اور عوامی آدمی یا عوام کے شاعر کہلاتے تھے۔ آپ کا دور مغلیہ سلطنت کے زوال کا دور تھا۔ اس دور میں ہندوستان پر مختلف مصیبتوں کے بادل منڈلا رہے تھے۔ معاشی بدحالی عروج پر تھی۔ بھوک، مفلسی بے روزگاری۔ بدامنی اپنے عروج پر تھی۔ نظیر اکبر آبادی نے اپنے کلام میں اس وقت کے تمام حالات کی عکاسی کی ہے۔ وہ نہ صرف بھوک، افلاس، بے روزگاری، بدامنی اور مصیبتوں کا احاطہ کیا ہے۔ بلکہ عید و تہواروں، خوشیوں میلوں اور موسموں کے علاوہ زندگی کے خوشگوار لمحوں کو بھی اپنے کلام میں مقید کیا ہے۔ آپ کے چند مشہور تخلیقات حسب ذیل ہیں۔ آپ نظم، غزل، نعت، حمد، مصنویاں، مرثیہ، قطعات، رباعی سب پر طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن آپ کو شہرت دلانے والی آپ کی خاص موضوعات پر لکھی گئی نظمیں ہیں۔ دراصل آپ کو بیسویں صدی میں آپ کے ان نظموں کی بنیاد پر شاعر انسانیت، شاعر آدمیت شاعر قومی یکجہتی یا قومی شاعر کی حیثیت سے مانا گیا ہے۔

مختلف عنوانات پر آپ کی نظمیں اس وقت کی عکاسی کرتی ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ وہ آج کی بھی عکاسی کررہی ہیں۔ جس میں سے چندہ قابل ذکر نظمیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ شہر آشوب (جو شہر کی ابتر حالات کی عکاسی کرتی ہیں)

۲۔ پیسہ ۳۔ روپیہ ۴۔ زر۔ ۵۔ روٹی

۶۔ پیاتی۔ ۷۔ بنجارہ نامہ ۸۔ آدمی نامہ

اس سے پہلے نظیر اکبر آبادی کو جن ممتاز شخصیتوں نے سراہا ہے ہم ان کا ایک سرسری جائزہ لیں گے۔ سب سے پہلے ہم جناب آل احمد سرور کی رائے برائے نظم "شہر آشوب" پر نظر ڈالیں گے "شہر آشوب"

بقول آل احمد سرور " نظم شہر آشوب نہیں بلکہ نظیر اکبر آبادی کی روح کی پکار ہے۔ اور یہ پکار محلوں، کوٹھیوں کی نہیں۔ دوکاندار، فقیر، کاریگروں، مصوروں، شاعروں اور خاص عام اور عوام کی پکار ہے۔ نظیر کو ہم اسی وجہ سے ہم عوام کا شاعر نہیں کہتے بلکہ اپنے تہذیب و تمدن اور اس سے نقش و نگار کا مصور کہتے ہیں۔ اور اپنی زندگی میں جاگتی تاریخ "(بحوالہ "ادب اور نظر ص ۴) بھی

" شہر آشوب " جس میں شہر آگرہ کی اس وقت کی زبوں حالی بیان کی گئی ہے۔ لیکن دراصل وہ سارے ہندوستان کی اور آج کے ہندوستان کی بھی عکاسی کرتی ہوئی نظر آئے گی۔ چند شعر پیش ہیں غور فرمایئے گا۔

"کیا چھوٹے کام والے کیا پیشہ ور نجیب
روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے جب آشام عنقریب
اٹھتے ہیں سب دوکان سے کہکر کہ یا نصیب
قسمت ہماری ہوگئی بے اختیار بند"

دیکھئے آج سے دو سو سال پہلے کہی گئی اس نظم کے بند میں ہندوستان کے آج کے حالات بند کر دیئے گئے آج ہم روٹی روزی کے لئے دوڑ دھوپ کرتے رہتے ہیں بلا کسی تفریق کے ہر کوئی اپنی اپنی جگہ پریشان ہے۔ کیا امیر کیا غریب۔ اس سے نظیر اکبر آبادی کے عظیم شاعر، حساس شاعر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ عوام کے دلوں کی ترجمانی کرنے والا شاعر کا ثبوت ملتا ہے۔ کاش کے آج کے شاعر اس عظیم شاعر کے نقش قدم پر چل کر عوام کے دکھ درد کو اپنے دل میں سمیٹ کر اپنے قلم سے صفحہ قرطاس پر اس کی ترجمانی کرنے لگیں تو انسانیت کی ایک عظیم خدمت ہوگی۔

نظیر اکبر آبادی نے اپنے ایک خاص انداز سے عوام کے کو اپنی نظم میں قلمبند کیا ہے۔ آج کل کے حالات ویسے بھی آپ تو تو جانتے ہی ہیں لیکن نظیر نے آج سے ۲ سو سال پہلے اس کی تصویر کشی کی تھی۔ ملاحظہ کیجیے

کیا کہوں یارو میں نقشہ خلق کے احوال کا
اہل دولت کا یا مفلس و کنگال کا
یہ بیان تو واقعی ہے ہر کس کے حال کا
کیا تو نگر کیا غنی کیا پیر اور کیا مال کا

سب کے دل کو فکر ہے دن رات آٹے دال کا

کیا آج ہم سب آٹے دال کی فکر میں دن رات بسلا نہیں پس اس کو کہتے ہیں نظیر کی دور اندیشی، وسیع النظری اور حالات کو تاریخ نہیں بلکہ ہر وقت کے حالات بسا کر اپنی نظموں میں پیش کرنے کا منفرد انداز جس کو آج کے بڑے بڑے نقاد، دانشور صاحب علم و نظر سراہتے ہیں۔

نظیر اکبر آبادی کو اگر آپ میری نظر سے دیکھیں یا میرے رائے ان کے بارے میں جاننا چاہیں تو میں یہی کہوں گا کہ یہ وہ شاعر تھے جو کل کی دور میں سے آج پر نظر ڈالی بلکہ میری نظر میں وہ آنے والے کل پر بھی نظر ڈالنے والے پہلے شاعر عظیم ہیں۔ آیئے اب ہم ان کی ایک اور حساس تخلیق پر نظر ڈالیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ نظیر اکبر آبادی ہر فرقہ، ہر مذہب اور مکتب خیال کے لوگوں کی عزت و قدر کرتے تھے۔ آپ ہر دل عزیز تھے۔ آپ ہر تہوار اور عید میں لوگوں کے پاس جا کر ملتے اور مبارکباد دیتے۔ ہر ایک کی پریشانی اور ضرورت کو سمجھتے۔ اسے اپنی ضرورت سمجھ کر پوری کرتے اور اپنے کلام میں عوام کی ضرورتوں، پریشانیوں کو قلمبند کر کر انسانیت کی ایک عظیم خدمت کرتے۔ اور حقیقت کی بڑی خوبی سے عکاسی کرتے۔ آیئے اب ہم نظیر کے "مسدس" "پیسہ" پر نظر ڈالیں۔ جس میں حقیقت نگاری کا کمال نظر آتا ہے۔

پیسہ ہی حسن دیتا ہے انساں کی بات کو
پیسہ ہی زیب دیتا ہے بیاں اور برات کو
بھائی لگا بھی ان کے پوچھے بات کو
بن پیسے یارو دولہا ہے آدھی رات کو

نظیر کی یہ مسدس اپنے سماج کی ترجمانی کرتی ہے جو تاقیامت پیسے کی اہمیت کا

ذکر کرے گی کہ کس طرح بغیر پیسے کے شادیاں نہیں ہو سکتی۔ کوئی کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو پیسہ نہ ہو تو آپ کو پوچھے گا بھی نہیں چاہے وہ سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ دیکھئے نظیر نے کتنی اہم بات کو کتنے سادہ الفاظ میں بیان کردی کہ اج سے دو سو سال پہلے کیا یہ نظم امر نہیں رہیگی۔ جب تک دنیا میں پیسہ رہیگا پیسے کی اہمیت رہیگی۔ میرے خیال میں یہ نظم امر رہیگی اور پیسے کی ضرورت اور اہمیت دنیا میں تاقیامت رہیگی اس لئے یہ نظیر کا کارنامہ ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو اس کے ذریعہ تاقیامت زندہ رکھ لیا۔

ایئے اب ہم ایک اور نظم "مفلس" کے ایک بند پر غور کریں جس میں نظیر نے "مفلس" کو بڑے ظریفانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ جب تک دنیا میں مفلسی رہیگی" بولتی نظم ملا تنگی" حسب ذیل بند میں انھوں نے ہم پیشہ (معلم) جس طرح نیم فاقہ کشی میں گزر اوقات کرتے ہی بیان کیا اور پھر غریب غرباء جو اس حال میں تعلیم حاصل کریں گے بھلا ان کی مفلسی کیسے دور ہوگی۔ وہ بھی انھوں نے بڑے ہی اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے گا۔

" جو اہل فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں
مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی ان سے تو اسے ہے بتاتے ہیں
وہ جو غریب غرباء کے لڑکے پڑھاتے ہیں
ان کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

اس نظم سے عام طبقات خاص طور سے درمیانی اور نچلے طبقات کی مفلسی صاف طور پر نظر آتی ہے۔ یہ نظیر کا ہی کمال تھا جو اتنے حساس اور ہمیشہ قائم رہنے والے موضوعات پر فکر کرتے تھے اور لکھتے تھے کلام وہی جس پر شاعر کو خراج تحسین ملے اور اس کلام پر نظیر اکبر آبادی کو آج تک ہر دانشور اور کل کا آنے والا وقت اور نقاد بھی خراج عقیدت پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نظیر اکبر آبادی نے سیدھے سادھے الفاظ میں مفلسی کو اس طرح پیش کیا ہے کہ شاند ہی کوئی اور شاعر اتنے اچھے انداز میں پیش کرسکے گا۔

نظیر اکبر آبادی کی ایک اور مشہور زمانہ نظم "بنجارہ نامہ" کے ذکر بغیر یہ مقالہ ادھورا رہیگا۔ نظیر اکبر آبادی اس دنیا کو فانی سمجھ کر بڑے اچھے انداز میں شعر کہے ہیں

اس نظم "بنجارہ نامہ" میں ویسے تو وہ ایک ایسے مسافر کی بات کر رہے ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرتا رہتا ہے۔ تلاش معاش یا پھر منزل کی تلاش میں مگر بادی النظر میں وہ دنیا میں انسان کے رہنے بسنے اور پھر یہاں سے بے سرو سامان سفر کرنے یعنی "بنجارہ" کی

طرح اس منزل کو چھوڑ کر آگے بڑھنے کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ ملاحظہ کیجئے گا۔

ٹک حرص و ہوس کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھر مارا
قزاق اجل کا لوٹے گا ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا بھینسا ، بیلا شتر کیا سر بھارا
کیا گیہوں ، چانول ، موٹھ ، مٹر کیا آگ کیا دھواں کیا انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا لاد چلے گا بنجارا

نظیر کی نظموں میں حقائق کی جھلک صاف نظر آتی ہے ۔ تب ہی تو انکی نظر میں دنیا فانی ہے دنیا کی ہر چیز فانی ہے انسان دنیا میں ایک مسافر کی طرح آ کر لقمہ اجل بنکر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یہاں سے کوچ کرتا ہے ۔ جس طرح ایک بنجارہ ہمیشہ سفر میں رہتا ہے بالکل واضح طور پر نظیر نے اپنی نظم " بنجارہ نامہ " میں ان باتوں کو پیش کیا ہے ۔ جہاں نظیر ان عام حقائق کو جو زندگی سے قریب قریب اپنے کلام میں پیش کیا ہے وہیں پر وہ انسان کی اہمیت اور اس کی عظمت اس کی عزت پیش نظر رکھکر ایک نظم " آدمی نامہ " جو انکی سب سے زیادہ مشہور نظم ہے بڑی خوبی سے پیش کی ہے ۔ اس لئے آپ انسانیت کے شاعر کہلاتے ہیں ۔ آپ آدمی چاہے کسی بھی طبقہ سے تعلق کیوں نہیں رکھتا اس کو احترام اور عزت سے دیکھنا فرض سمجھتے ہیں ۔ نظیر کی نظر میں سب آدمی برابر ہیں دنیا میں جب آدمی آتا ہے تو خالی ہاتھ اور جاتا ہے تو خالی ہاتھ یہ مذہب ، امیری ، غریبی ، طبقہ ، ذات پات ، نسل کی دیواریں انسانی کی اپنی بنائی ہوئی ہیں جس کی نظیر کے پاس کوئی اہمیت نہیں ہے ، وہ سب کو خدا کے بندے اور خدا کی نظر میں یکساں سمجھتے ہیں اور ہمکو بھی یہ پیغام دیتے ہیں کہ باوجود تمام انسانی کوششوں کے انسان پیدا ہوتے وقت اور مرتے وقت کوئی فرق باقی نہیں رہتا ۔ ایک آدمی دوسرے آدمی کی طرف دنیا میں آتا اور جاتا ہے ۔ آغاز بھی وہی انجام بھی وہی تو پھر یہ جو بیچ کا راستہ اتنا پر پیچ اور خم دار اور خار دار انسان نے کیوں بنایا ہے ۔ یہ آج تک کسی کے سمجھ میں نہیں آیا اور نہ ہی کوئی شاعر ، مفکر ، دانشور اس بارے میں اپنی کوئی رائے پیش کر سکا لیکن وہ نظیر اکبر آبادی ہی تھے جو شاعر انسانیت ہی بن کر ابھرے ہے ۔ اور سارے زمانے کا غم سارے عالم انسانوں کے غم کو اپنے سینے میں رکھکر اپنے قلم کے ذریعہ صفحہ قرطاس پر کچھ اس طرح اتارا کہ وہ ہر دل کی چیخ بن کر تا قیامت ابھرتی رہیگی ۔ آیئے اب ہم اس تمہید کے بعد " آدمی نامہ " کے چند اشعار پر غور کریں کہ کس طرح سیدھے سادھے الفاظ میں نظیر اکبر آبادی نے آدمی کی اہمیت کو قلمبند کیا ہے ۔

آدمی نامہ

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
اشرف اور کمینے سے لے شاہ تا وزیر
ہیں آدمی ہی صاحب عزت بھی اور فقیر
یاں آدمی مرید ہیں اور آدمی ہی پیر
اچھا بھی آدمی ہی کہلاتا ہے اے نظیر
اور سب میں جو برا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

دیکھا آپ نے آدمی کی عزت نظیر کے پاس۔ نظیر وہ شاعر ہیں جو طبقاتی امتیاز کو سطحی ٹھرایا ہے۔ نظیر وہ شاعر ہیں جنھوں نے طرح طرح کے انسانوں کا ذکر ایک دوسرے کے مقابل رکھکر کیا ہے۔ مثلاً شاہ و گدا۔ امیر و غریب، تونگرا اور مفلس۔

غوث، ولی، منکر، ہر ایک شخص کے بارے میں بیان کر آخر میں کہتے ہیں کہ وہ بھی آدمی ہے خدا نے اس کو پیدا کیا ہے ہم کیوں خدا کی مخلوق میں اتنا بڑا فرق پیدا کریں۔ ہر انسان چاہے وہ کس بھی طبقہ کا ہو نظیر کی نذر میں قابل احترام ہے اس لئے نظیر اکبرآبادی انسانیت کا شاعر کہلاتے ہیں۔

مجنوں گورکھپوری نے اپنے ایک مضمون میں نظیر پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "نظیر ہندوستان کے شاعر تھے اور ہندوستان کی جمہوری زندگی کو انھوں نے اپنی شاعری کا موضوع بنایا اور اسالیب اور لب و لہجہ کو عوام سے ہم سطح رکھا" وہ خالص ہندوستانی شاعر تھے۔

ہندوستان کی زندگی اور ہندوستان کے رسوم و روایات ان کی شاعری کے لازمی عناصر ہیں۔ اپنے گرد و پیش کی زندگی کے عام سے عام واقعات کے ساتھ موانست رکھتے ہیں اور انہی سے اپنی شاعری کے لئے مواد حاصل کرتے ہیں۔ نظیر اردو کے پہلے شاعر ہیں جن کا کلام پڑھکر ہندوستان کے حالات کی عام تصویر اور یہاں کے رسم و رواج کے متعلق معلومات حاصل کئے جاسکتے ہیں۔" (ادب اور زندگی ص ۹۴)

تو اس طرح یہ تحقیقی مقالہ اختتام کو پہنچتا ہے

آیئے ہم اس عظیم شاعر کے لئے خدا سے مغفرت کی دعا کریں کہ اللہ تعالی نظیر اکبرآبادی کو جوار رحمت میں جگہ دے (آمین)

عصر حاضر میں ماحولیات کا جائزہ

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق
ریسرچ اسکالر۔ (ماہر ماحولیات)
P.G. Dip. in Env.Studies

سب سے پہلے ہم Ecology اور Environment (ماحولیات) کے بارے میں اس کے Defination کے بارے میں جانیں گے۔

Environment کسے کہتے ہیں اسے غور کریں گے۔

Environment

Environment : Environment is a physiochemical system required by the organisms, where as an organism is a living body and is integral part of the environment

Environment سے مراد یہ ہے کہ یہ ایک جاندار (Organism) چیز کا اپنے اطراف و اکناف جس کو ہم ماحول کے کہتے ہیں Physically اور (Chemically) رابطہ ہے اس لئے کہ جاندار اپنے ماحول کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ اگر ماحول پاک و صاف ہو تو جاندار زندہ رہ سکتا ہے۔ ورنہ اس کی موت یا سسکتی زندگی ماحول خراب ہونے سے یقینی ہے۔

ایکولوجی (Ecology)

ایکالوجی سے مراد یہ ہے کہ Environment یعنی ماحول اور کسی بھی جاندار چیز کے مابین رابطہ کا جائزہ لینے کو کہتے ہیں۔

ایک معنوں میں Environment اور Ecology جو دو الگ لفظ ہیں لیکن ان دونوں کا آپس میں گہرا رابطہ ہے جس میں بنیادی محور کوئی بھی جاندار ہی ہوتا ہے۔

عصر حاضر میں ماحولیات کا جائزہ

سب سے پہلے ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ماحول کے لفظی معنے کیا ہوتے ہیں ؟ ماحول کس کو کہتے ہیں ؟ پھر ہم بات کریں گے عصر حاضر میں ماحولیات کی۔

"فیروز اللغات" کے مطابق ماحول کے معینے گرد و پیش یا پاس و پڑوس کے ہوتے ہیں۔ ماحولیات سے ہماری مراد یہ ہے کہ ماحول کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہے۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں جب کہ انسان کی زندگی ایک مشینی زندگی ہوگئی ہے۔ اور انسان اپنے لئے دنیا کی حصار کو تنگ پا کر چاند میں کمنڈ ڈال چکا ہے۔ ستاروں سے باتیں کر رہا ہے۔ سورج سے آنکھ لڑا رہا ہے۔ ہواؤں کے دوش پر اڑ رہا ہے۔ سمندر کو کھنگال چکا ہے۔ زمین کی آخری تہے تک پہنچنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ ریموٹ کنٹرول اور الکٹرانک کے دور پر حاوی ہو چکا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اتنی ترقی کرنے باوجود اپنے گرد و پیش سے اتنا بے خبر ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے ماحول کو زہریلا کرتا چلا جا رہا ہے۔

آج خلاء کی اس پرت میں جس کو ہم اوزون لئیر (OzoneLayer) کہتے ہیں۔ اس میں اس آدم زاد کی نادانی سے ہی ایک شگاف پڑ چکا ہے۔ جس کی وجہ سے سورج سے الٹرا وایلٹ ریز جو انسان کی صحت اور اسکی بقاء لئے بے حد مضر ہے۔ زمین پر آرہی ہیں اور لوگوں میں بھیانک قسمکی بیماریاں جیسا کہ کینسر، جلدی بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ فصلوں کو زبردست نقصان ہو رہا ہے۔ موسمیات پر بھی اسکا برا اثر پڑ رہا ہے۔ سرما میں شدید سردی اور گرما میں شدید گرمی اور بارش میں، بالکل ہی نہیں تو کبھی دھواں دار بارش (Nature) قدرت کا سارا نظام درہم برہم ہوگیا ہے۔ آنے والی نسلوں کو ایک بہت بڑا خطرہ لاحق ہوگیا۔ اس آدم زاد کی نادانی کی وجہ سے کیا کیا ہو رہا ہے۔ ہم ایک منظم طریقہ سے اس کا جائزہ لیں گے۔

یہ خاکسار (P.G. Diploma in Environment Studies)

ابیڈکر یونیورسٹی کا ادنی طالب علم رہچکا ہے ۔ یہ خاکسار اپنی کم مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتا ہے کہ ماحولیات کا علم کو سب تک پہنچانا بھی اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ اس کو حاصل کرنا ہے ۔ کیونکہ جب لوگوں میں گرد و پیش کے زہریلے ماحول کا علم ہوگا تو وہ بھی ماحولیات کی ابتر حالت کو سدھارنے کی کوشش کریں گے ۔

دراصل لوگوں کو اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہے جس کی وجہ سے آج شہروں میں تو کیا گاوں میں بھی صاف ستھری ہوا میں سانس لینا مشکل ہوگیا۔

آیئے ماحولیات کا ہم ان عنوانات کے تحت مختصرا جائیزہ لیں گے ۔

1) Environment Awareness
2) Environment Education
3) Health
4) Disaster Management

Environment Awareness ہم ان چار عنوانات کے تحت جائیزہ لیں گے ۔

Balanced view of Dinessed Issues

علمی ماحولیات کا اگر ہم جائیزہ لیں تو ہمکو پتہ چلے گا کہ ترقی پذیر ممالک جیسے کہ برطانیہ، امریکہ اور جاپان میں لاتعداد کارخانے اور Industries قائم ہوچکے ہیں ۔ جن سے زہریلی گیاسس اور مادے نکل کر ماحول کو خراب کررہے ہیں۔ بعض جگھوں پر Acid کی بارش بھی ہورہی ہے ۔ قدیم قسم کے جانور جیسے Dinosaurs وغیرہ اسی وجہ سے ختم ہورہے ہیں۔

زمین میں حد سے زیادہ گرمی بڑھ جانے کی وجہ سے آتش فشاں پہاڑ پھٹ رہے ہیں۔ اور ہر آیئے دن کہیں نہ کہیں زلزلے آرہے ہیں۔ خود ہندوستان میں بھی حالات بدل گئے ہیں ۔ محبو نگر اور رائل سیما (Rayalseema) میں قحط سالی اس بات کی ترجمانی کرتی ہے کہ ہندوستان میں ریاست آندھرا پردیش پر بھی ابتر ماحولیات کا اثر پڑچکا ہے ۔

حالیہ ترقی سے ماحولیات پر جو اثر پڑرہا ہے ہم اس کا جائیزہ لیں گے

غربت اور معاشی ترقی قدرتی وسائل کا استعمال عوام کا سائنٹفک ترقی میں حصہ لینا،

غذائی اجناس کا بر آمد کرنا حصول دولت کے لئے ۔ صنعتی کارخانے نا مناسب جگہوں پر قائم کرنا ۔ آبادی کے روک تھام پر عمل نہ کرنا وغیرہ ہیں ۔ اب ہم آبادی کے تعلق سے تھوڑے بہت معلومات حاصل کرلیں گے دنیا کی ہر بستی اس وقت آبادی کے مسئلے سے دوچار ہے اور آج بھی بے پناہ آبادی سے بھرے ہوئے ہیں ۔

اب ہم ماحولیات سے پیدا شدہ عالمی مسائل کا جس پر فوری قابو پانا ہے جائزہ لیں گے

سائنس کی ترقی اور صنعت و حرفت سے ہم کو کوئی دشمنی نہیں ہے ۔ ہم چاہتے ہیں کہ ترقی مناسب ہو ، ماحولیات کو پیش نظر رکھ کر ہو اور ایسی ترقی ہو جس سے انسان کی زندگی جانوروں کی زندگی نیز، پودوں کی زندگی زمین کی اوپری سطح اور زمین کے اوپر جو اوزون لیئر (Ozone Layer) ہے اس کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچائیں ۔

ترقی یافتہ ممالک کو ترقی پذیر ممالک کی مناسب مدد اور ٹکنالوجی سے بھی یہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے ۔

قدرتی وسائل کا آئندہ آنے والی نسلوں کا خیال رکھتے ہوئے کفایت سے برتنا ہوگا ۔ ورنہ یہ جو قدرتی وسائل ہیں جیسے پٹرول ، قدرتی گیاسس ، کوئلہ اور دوسرے ایندھن زیادہ سے زیادہ سو سال میں ہی ختم ہوجائیں گے ۔ کیوں کہ ہم بہت تیزی سے ان وسائل کا استعمال کررہے ہیں ۔

ماحولیات پر قابو پانے سے میری مراد ماحولیات کے بگڑتے ہوئے حالات پر اگر ہم قابو پانا ہے تو ہم سب کو مل جل کر کام کرنا ہوگا ۔

اس کام کو مختلف تنظیموں میں اداروں حکومت اور غیر سرکاری انجمنوں اور انفرادی طور پر ہر شخص ہر شہری کے سپرد کیا جاسکتا ہے ۔

آبادی پر کنٹرول

آبادی کا بھی بے تحاشا بڑھ جانا بھی ماحولیات کے لئے خطرہ بن گیا ہے ۔ اس کو تین طرح سے روکا جاسکتا ہے ۔

(۱) آبادی پر کنٹرول (۲) فیملی پلاننگ (۳) اور گاؤں سے شہروں کی طرف جو لوگ رخ

کررہے ہیں ان کو روک کر بھی شہر کی فضاء کو آلودگی سے بچایا جاسکتا ہے۔
ماحولیات پر کنٹرول کرنے کے لئے چند اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں۔
جنگلات کو کاٹنے سے روکا جائے۔ شہر میں اور گاوں میں قدرتی وسائل کو ختم نہ کیا جائے۔ شہر میں بڑھتیہوئی گاڑیوں کے استعمال پر پابندی لگائی جائے جس سے فضاء میں کاربن ڈائی آکسائیڈ اور کاربن مانو آکسائیڈ شامل ہوکر صحت کے لئے بہت بڑا خطرہ پیدا کررہی ہے۔ کارخانوں سے نکلتے ہوئے دھویں سے بھی جو آلودگی پیدا ہورہی ہے اس کو روکا جائے کم کیا جائے۔ شہر اور قصبہ کی گلیوں میں جو گندگی پھیل رہی ہے اس گندگی کو ختم کیا جائے۔ گاؤں کے گاؤں کو ختم کرکے جو تالاب بنائے جارہے ہیں اس سے زراعت پر اثر پڑرہا ہے۔ اور ماحولیات پر بھیاسکو روکا جائے۔ کارخانوں کو اور Industries کو شہر سے دور رکھا جائے جہاں تک ہوسکے پٹرول اور کوئلہ کو ایندھن کے طور پر استعمال کرنے کے بجائے سولار اینرجی پور (Solar Energy power) کا استعمال کیا جائے۔ تھرمل پرو پلانٹ (Thermal PowerPlant) اور سمنٹ Industry سے جو خطرناک راک اور گرد نکلتی ہے اس سے بھی ماحولیات پر برا اثر پڑرہا ہے۔ مزید ان باتوں پر غور کرنا ہے۔ جیسے

1) Suitable use and Conservation of Resources

2) Presentation of Natural Environemt

3) Presentation of Pollution

4) Control of Population Growth

آیئے ہم ماحولیات سے متاثر تمام چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے سب سے پہلے صحت کی اہمیت کو جانتے ہیں۔ یا صحت کو اہمیت دیتے ہیں۔ ہماری صحت جو ماحولیات کی وجہ سے متاثر ہورہی ہے۔ اس کو ہم پانچ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

1. Population Growth - 4. Epidemiology
2. Sanitation - 5. Occupational Hazerds
3. Water Control

صحت کے لفظی معنی "فیروز اللغات" کے مطابق تندرستی، تصحیح درستی کی ہیں۔ ہم یہاں پر صحت کے معینے تندرستی کو لیتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ جو کہ ہم کو مطلوب ہیں۔

اور سارا دارومدار انسان کی صحت پر منحصر ہوتا ہے جو ایک صحت مند معاشرہ اور ماحول چاہتا ہے۔ معاشرہ کا صحت مند انسان بن کر ملک اور قوم کی خدمت کرسکتا ہے۔ آپ خود بھی غور کیجئے گا تو معلوم ہوگا کہ اگر آپ کو اس دنیا میں خوش رہنا ہے تو کچھ کرکے دیکھانا ہے تو آپ خرابی صحت کی وجہ سے کر نہیں پائیں گے۔ آپ کے سر میں اگر معمولی سا درد ہوجائے تو آپ کو کوئی فلم کوئی پارٹی، کوئی تقریب کسی کی بات کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ آپ میں چڑ چڑا پن پیدا ہوجاتا ہے آپ کو کام میں کوئی دلچسپی نہیں رہتی آپ دفتر نہیں جائے ان سب باتوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر آپ کی صحت اچھی ہے تو آپ کو سب کچھ اچھا لگتا ہے دنیا اچھی لگتی ہے دنیا کے لوگ آپ کو اچھے لگتے ہیں۔ ورنہ آپ خود کو اور اپنے وجود کو ایک بوجھ سمجھتے ہیں۔ ماحولیات کی خرابی کی وجہ سے آج دنیا میں ہر تیسرا شخص کسی نہ کسی بیماری میں بتلا نظر آتا ہے۔

کسی کو .T.B ہے تو کسی کو ایڈز کسی کا دل بیمار ہے تو کسی کے گردے ناکام ہوچکے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر کسی کا ذہن متاثر ہے تو ضعیف حضرات بیمار۔ اب آپ بتایئے صحت مند کون ہے؟ کسی کو ملاوٹ سے مبرا غذا مل رہی ہے کون ہے جو پوری طرح سے صحت مند ہے اگر ہے بھی تو اس کا اوسط کتنے لاکھ میں ایک کا ہے یعنی کوئی آنکھوں سے بیمار ہے تو کوئی ذہن سے بیمار کوئی دل سے بیمار تو کوئی جسم سے بیمار۔ وٹامن (A) سے وٹامن (B)، وٹامن (C)، وٹامن (D)، وٹامن (E)، وٹامن (K)۔ وٹامن اءرن (Iron)، کیلشیم (Calcium) کی ہر ایک میں کمی نظر آتی ہی۔ کیلشیم جان لیوا بیماریاں جیسے کینسر (

(Sexual Transmitted Diseases ایڈز، T.B.، (Enemia) پھیپڑوں کی بیماریاں بھی معاشرہ کو کھوکھلا کر دے رہی ہیں۔ بڑھتی ہوئی آبادی ایک مسئلہ بنکر کھڑی ہوئی ہیں۔ یونائیٹیڈ نیشن پاپولیشن فنڈ (United Nation Population (Fund ڈاکومنٹ 1952ء (Briefing Kit) کے مطابق اس وقت دنیا کی آبادی 5.48 بلین ہے جو 1998ء تک چھ (6) بلین ہوجائے گی۔ اس میں سب سے زیادہ آبادی والا ملک چین ہے اس کے بعد ہندوستان کا نمبر ہے۔

پہلے سو سال میں آبادی ایک بلین سے 2 بلین ہوا کرتی تھی۔ لیکن آج کل ہر دس سال میں آبادی مس ایک بلین کا اضافہ ہورہا ہے۔ اس بڑھتی ہوئی آبادی سے ہر سکنڈ میں تین فیصد لوگ متاثر ہورہے ہیں۔ پہلے اوسط پر ایک عورت کو 6 بچے ہوا کرتے تھے۔ اب 2.5 فیصد بچے ہوتے ہیں لیکن چونکہ عورت کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ دو ہزار دو سو (2,200) عیسویں کے ختم ہونے تک دنیا کی آبادی بارہ بلین ہوجائے گی جو کہ آج کی ہماری موجودہ آبادی کا دوگناہ ہے۔

1891ء ہندوستان میں مردم شماری کا آغاز ہوا۔ اور اس وقت حساب سے ہمارے (Population) آبادیکا (Average Growth Rate) 0.11 تھا۔ اور آج یہ بڑھکر 2.11 پر Million ہوگیا ہے۔ Environmental اور Population پرابلم Problem دونوں ہی بہت اہمیت کے حامل ہیں اور ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ زبانی جمع خرچ سے Population کنٹرول نہیں کیا جاسکتا۔ اگر آبادی کو روکنا ہو تو تعلیم کو عام کرنا ضروری ہے اور اس سے بھی زیادہ ضروری ہے لڑکیوں کی تعلیم۔ کیوں کہ لڑکیاں ہی آبادی کو روکنے میں اہم رول ادا کر سکتی ہیں۔

اب آیئے صحت اور (Population) آبادی سے ہٹکر ہم Waterand Sanitation یعنی پانی اور ڈریج پر تبادلہ خیال کریں۔ جس سے ہماری صحتوں پر برا اثر پڑرہا ہے۔ سب سے پہلے ہم پانی کے ذرائع پر غور کریں گے کہ ہم کو پانی کن کن ذرائع سے مہیا ہوتا ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں ہماری دنیا میں زمین ایک حصہ ہے تو پانی تین حصہ۔ لیکن سمندروں کا پانی قابل استعمال نہیں ہوتا اور صحت کے لئے مضر ہے۔ ہمکو جن ذراء سے پانی حاصل ہوتا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

Rivers and lakes

Ground Water

Gladial and other Landice

Oceanic Water

Water Vapour and Condensatein the Atmosphere

پانی میں جو زہریلے مادے ہوتے ہیں جو کہ پانی میں بالکل نہیں ہونا چاہئے ۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

Toxic Materials in Water for health

1. Assenic . 6. Selenium

2. Cadmium . 7. Mercury

3. Chromium . 8. Pybynuclear Aeromatic

4. Dyanides . 9. Hydrocarbons

یہ عناصر پانی میں ہوتے ہوں تو پانی کا استعمال مضر ہوجاتا ہے ۔اس لئے ہم کو چاہئے کہ اوپر دیئے گئے تمام عناصر سے پاک پانی ہی استعمال کریں ۔ پانی کو گرم کرکر یا فلٹر کرکے استعمال کرنا بہتر ہوتا ہے ۔

(Water Purification) پانچ طرح سے کیا جاسکتا ہے ۔

The complete process of the removal of impurities is called water purification, which are of 5 types.

1. Screening
2. Sedementation
3. Filtraton
4. Disinfection

5. Aeration and Softening

پانی انسان ہی نہیں بلکہ تمام جاندار چیزو کے لئے بہت اہم ہے۔ بارش سے ہونے والا پانی جو زمین کی سطح کو پہنچتا ہے۔ جو ہمیں دستیاب ہوتا ہے۔ اسے ہم (Surface Water) کہتے ہیں۔ زمین کھود کر جو پانی ہم حاصل کرتے ہیں اس کو (Ground Water) کہتے ہیں۔ اچھا اور قابل استعمال پانی بہت کم مقدار میں موجود ہے۔ اس لئے ہم کو چاہیے کہ پانی کو کفایت شعاری سے استعمال کریں۔

پانی سے جو امراض پھیلتے ہیں ان کو چار حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

The water related diseases are classified into four Categories

1. Water borne Diseases
2. Water Wahsed Diseases
3. Water based Diseases
4. Diseases with water related Veitors

اپنے جب ہم انسانی صحت کی بات ہی کررہے ہیں ہم اس نقطے کو بھی نظرانداز نہ کریں جو انسانوں میں بیماریوں کو پھیلنے کا سبب ہے۔ جیسے چند حیوانات سے بیماریوں کا پھیلنا مثلاً مچھر، مکھی، چوہے اور دوسرے (VirusesBacterias,) ماحول اگر صاحف رکھا جائے اور گھر کو پاک رکھا جائے تو ایک حد تک ہم ان بیماریوں سے بچ سکتے ہیں۔ Desentry Cholera,Typhoid, Diarohea, جیسے جان لیوا امراض پر جس سے اوسطاً سالانہ کئی اموات ہوتی ہیں۔ قابو پایا جاسکتا ہے۔

صحت پر کام کرنے کی جگہ اگر صاف نہ ہو تو بھی برا اثر پڑتا ہے۔ جس کو ہم (Occupational Hazards and Diseases) کہتے ہیں ہم کو چاہیے کہ کارخانوں اور کام کرنے کی جگہوں پر صفائی کا پوری طرح سے خیال رکھیں۔

(Chemical Agents)

جو (Solid Gas, Liquid Gas') کی شکل میں ہوتے ہیں۔

کافی نقصاندہ ہوتے ہیں۔ اس سے ہٹ کر (Asbestose Solica Dusts)
صحت کے لئے مضر ہیں کام کرنے کی جگہ کو ان تمام اجزاء سے پاک رکھ کر کام کرنے والوں
کی صحت کو متاثر ہونے سے روکا جاسکتا ہے۔
اس سے ہٹ کر کام کرنے کی جگہ کو (Noise Pollution) سے پاک رکھنا بھی
ضروری ہے جس سے کام کرنے والوں کی سماعت پر برا اثر نہ پڑے۔

آیئے اب ہم

(Air Pollution) کی بات کرتے ہیں۔

Pollution سے مراد ہمارے ماحول میں غیر پسندیدہ عناصر کا پایا جاتا ہے جو صحت
کے لئے مضر ہے مقصود ہے ہوا میں oxygen کی موجودہ مقدار کو متاثر کرنے سے
سارے عالم کے انسان، پرند، جانور، اشجار کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ Co2 کاربن ڈائی اکسائیڈ
کا اوسط اگر فضاء میں بڑھ جائے تو جان لیوہ ثابت ہوسکتا ہے۔ ہوا کے مین پولیوٹنٹس (
Main Pollutants) حسب ذیل ہیں۔

1. Ammonia, suspended Particulaters, Sulphurdienide
2. Suspended particulater, Sulphur dianide
3. Nitrogen Oxides
4. Chlonine
5. Sulphur Dioxide
6. Nitrogen Oxides and
7. Suspended Particulaters

ماحولیات کی گندگی کو دور کرنے کے لئے چند حسب ذیل اقدامات کی ضرورت ہے۔ اوپر دیئے
گئے تمام عناصر سے ہم کو فضاء کو پاک رکھنا ضروری ہے ورنہ ہمارے ماحول میں پراگندگی

Photosynthesis کے رچ بس جائے گی۔ AcidRain کی بارش ہونے سے Mechanism کو نقصان پہنچے گا۔ زراعت کو نقصان پہنچے گا۔ So2 اور Mox کے علاوہ C2 اور Hydro Carbon اور Ammonia کی مقدار فضاء میں بڑھ جائے گی۔

اس لئے ہم کو اگر (Environment) کو صاف رکھنا ہے تو کارخانوں (Industries) پر صنعتی شعبوں پر کڑی نگرانی رکھنی ہوگی۔

ہوا میں جو زہریلے مادے ہیں اگر وہ حد سے زیادہ تجاوز کرجائیں تو ہمارے لئے نقصان دے ہوسکتا ہے۔

ان کی لسٹ طویل ہے پھر بھی اہم عناصر کا ہم ذکر کریں گے۔

(Phosgene, Ozone, Ammonia, Arsine, Ethnol,
(Padathian Iodine Dust, Fume)

اگر ماحولیات کو پاک کرنا ہے تو صرف حکومت پر انحصار کرنا مناسب نہ ہوگا۔ ہم سب کو حکومت کے شانہ بشانہ کام کرنا ہوگا۔ حکومت نام ہے عوام کا عوام ہی کی حکومت ہے حکومت ہی عوام ہے اس لئے ہر وہ پالیسی جو حکومت نافذ کرتی ہے اگر اس کو عوام کا تعاون نہ حاصل ہو تو وہ پالیسی ناکام ہوجاتی ہے۔ جیسے کہ حال ہی میں ہماری ریاست میں نشہ بندی کی Policy (پالیسی) ناکام ہوگئی۔ اس طرح حکومت ماحولیاتی کی پاکیزگی کے لئے اقدامات کرے یا قانون نافذ کرے تو ماحول پاک و صاف نہیں ہوسکتا جب تلک عوامی تعاون نہ حاصل ہو۔ اس طرح ہمارا یہ اولین فرض ہے کہ ہم ماحول کو پاک و صاف رکھیں حکومت کے نافذ کئے گئے قانون کا احترام کریں

اور خود اپنے لئے ایک اچھا ماحول اور پاک و صاف ماحول رکھیں اور آنے والی نسلوں کو بھی پاک و صاف ماحول میں سانس لینے کے مواقع فراہم کریں

Environment Protection Laws

ماحولیات کو پاک و صاف رکھنے کے لئے حکومت نے چند قانون بنائے ہیں۔ اس کے مقاصد یہ ہیں کہ موجودہ آبادی اور آنے والی نسلوں کو ایک پاک و صاف ماحول ملے۔ اور

ہمارے موجودہ عالم کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچے۔

1997 United nation Human Environment میں (Stock Home) اسٹاک ہوم جنیوا میں منعقد ہوئی تھی کئی ممالک نے یہ محسوس جو کیا کہ صاف و ستھرا ماحول بنائے رکھنے کے لئے (Legislation) یعنی قانون بنانے کی ضرورت ہے۔ بغیر اس کے ماحولیات پر قابو پانا مشکل ہے۔ 1974ء میں Indian Parliament سے ایک خصوصی Legislation کے ذریعہ Water Pollution یعنی آبی آلودگی پر کنٹرول کرنے کے لئے ایک قانون نافذ کیا۔

پہلا Environmental (انورانمنٹل) ماحولیات کا دعہ یا قانون 1986ء میں نافذ ہوا تمام حکومت اور غیر حکومت اداروں پر اس کا اطلاق عمل میں آیا۔ اس کی بنیاد آئین میں دیئے گئے (Right to Life) اور of all Indian Citizens Right to Clean Environment انوارنمنٹ پر رکھی گئی ہے۔

اس قانون کو موثر طریقہ سے نافذ العمل لانے کے لئے تمام منڈل ریوینیو آفیسرس (M.R.O.) کی مدد لی گئی ہے ایک کمیٹی بھی قائم کی گئی ہے جس سے مراد Free Legal Aid and Advice Committee (کمیٹی) جس میں تمام ماحولیات کے مقدمات کی مدد کی جاتی ہے اور ایک خصوصی عدالت لوک عدالت بھی قائم کی گئی ہے۔ DistrictJudge عدالت کا چیرمین ہوتا ہے سب اس عدالت سے استفادہ کرسکتے ہیں۔ انفرادی حق، اجتماعی حق سے اور اس عوامی دلچسپی کے مسائل کو بنیاد بنیاد بناکر عدالت سے مفت (LegalAid) (قانونی مدد) حاصل کرکر اور انصاف حاصل کرسکتے ہیں کسی بھی ماحول سے بے قاعدگیوں کے بارے میں حکومت کو اطلاع کرنے کا بھی حق عوام کو حاصل ہے EnvironmentalEducation کے مقاصد جب تک کسی Topic کسی عنوان کے بارے میں عوام کو واقف نہیں کرایا جائے گا عوام اس سے باخبر نہیں ہوسکتی اور حکومت کی کوئی بھی Policy تغیر یا تبدیلی کو نہیں لاسکتی اور اگر کسی بھی عنوان یا topic کو باضابطہ تعلیم دی جائے و اس عنوان یا (Topic) کو لوگ اچھی طرح سے سمجھنے لگیں گے اور اس سے پیدا شدہ مسائل کو حل کرنے میں کافی مدد ملے گی۔ جہاں تک ماحولیات کی پاکیزگی کا سوال ہے اسکے لئے ہم کو پرائمری اسکول سے ہی طلباء میں

معلومات باہم پہنچائے جائیں ۔ باضابطہ اس کا ایک Syllabus بناکر Environmental Needs کے تحت ان کو پڑھایا جائے ۔

کالج اور یونیورسٹی کے لیول پر بھی اس کی تعلیم دینا ضروری ہے اس سے پہلے ماحولیات کی بگڑتی ہوئی حالات (حالت) سے متاثر لوگوں کے احتجاج بھی واقف کرانا بھی ضروری ہے جیسے کہ (Chipko Movement) چپکو مومنٹ (Mata Dharma Dhartimata, Silent, Valely Movement Struggle,) کے بارے میں معلومات پہنچانا بھی ضروری ہے اس سے ہٹ کر جو لیے ہوئے ہیں جیسے کہ Bhopal Gas کا المیہ جسے سے لوگ آج تک بھی متاثر ہیں واقف کرانا بھی ضروری ہے ۔ جنگلات کی اہمیت ان سے افادیت ، قدرتی وسائل کا کفایت شعاری اور منصوبہ بند استعمال پٹرول اور ڈزیل کے استعمال موٹر گاڑیوں اور اسکوٹروں سے ہوا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ جیسی زہریلی گیاس کا زیادہ مقدار میں پایا جانا صحت کے لئے نقصانات آبادی کی بڑھتی ہوئی صورتحال سے پیدا ہونے والے نقصانات ، شہروں سے گاؤں کو چھوڑ کر آنے کے نقصاندہ رواج کو ختم کرنے کی تعلیم بھی ضروری ہے ۔

ہر وہ عمل ہر وہ بات جو ہمارے Atmosphere کو ہمارے ماحول کو نقصان پہنچاتی ہے اس کی تعلیم بھی ضروری ہے ۔ مدارس سے ہٹ کر عوام تک بھی ماحولیات کی پاکیزگی کے بارے میں تعلیمات کا باہم پہنچانات بھی ضروری ہے کیونکہ آبادی کے بارے میں صرف دس فیصد بطور طلباء کے تعلیم حاصل کرسکتا ہے ۔ جبکہ 90% فیصد عوام یا تو مدارس سے فارغ ہوجاتے ہیں یا مدارس کو آتے ہی نہیں ہیں تو ان تک بھی ماحولیات کی تعلیمات کو پہنچانا بے حد ضروری ہے اسکے لئے ہمکو Mass Media کا استعمال کرنا ہوگا ۔ جس میں Print Media یعنی اخبارات ، رسائل ، جرائد ماہنامے ، شب نامے ، ہفتہ وار اخبارات کے ذریعہ عوام تک افادیت اہمیت مسائل اور ان کا حال ان کی ذمہ داری کے بارے میں معلومات بہم پہنچائی جاسکتی ہیں ۔

اب آیئے Electronic Media کی بات کریں جو کہ آج کل سب سے زیادہ عام اور موثر ذریعہ ہے ۔ جس کو ہم استعمال کرکر ماحولیات کی پاکیزگی میں کسی حد تک کامیابی

ہے ۔اس پر ملک کے دانشور، سیاست دان، سائنس دان، ادیب، اور شعراء حضرات کو بھی کام کرنا چاہیے تاکہ آنے والی نسلوں کو ایک پاک و صاف ماحول اور قدرتی وسائل سے بھرپور سرشار دنیا ملے۔

آیئے اس ضمن میں اس راقم الحروف کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ ماحولیات پر یہ غزل آل انڈیا ریڈیو، دوردرشن اور حیدرآباد کے اہم روزناموں سے نشر اور شائع ہو چکی ہے۔

ماحولیات (آلودگی) پر نظم

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق
ریسرچ اسکالر
ماہر ماحولیات

سب کی صحت کا ہمکو تو رکھنا ہے اب خیال
آلودگی ہے اتنی کہ جینا ہے اب محال
ماحول صاف رکھ کے ذرا تم بھی دیکھنا
امراض کیسے پھیلیں گے ہے ان کی کیا مجال

تم چاند پر بھی جاؤ کہ جاؤ مریخ پر
پہلے ذرا زمین کا رکھو تو کچھ خیال
کیسی غذا یہ ہمکو تو ملتی ہے آج کل
بچپن بھی روٹھا ہم سے جوانی بھی ہے نڈھال

ماحول پاک ہو تو ملے گا یہ دل سے دل
آلودگی کا دیکھئے دل کو بھی ہے ملال
ماحول کا اثر تو یہاں ہر کسی پہ ہے
کیسے بچو گے اس سے یہ ہی تم سے ہے سوال

خستہ یہاں کی سڑکیں تو ماحول ہے خراب
ہلمٹ ہے سب کے سر پر تو چہرہ پر سب کے شال

حاصل کرسکتے ہیں ۔ ریڈیو سے وقتاً فوقتاً ہندوستان میں بولی جانے والی تمام زبانیں ماحولیات کے بارے میں واقف کراتا ہوگا۔

یہ سچ ہے کہ انگریزی ہمارے ملک میں غالب ہے لیکن بہت سے لوگ اس سے نابلد ہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ Regional Language پر اس مشن کے فروغ کو منحصر رکھیں جب عوام عموماً گھر پر ہو جیسے صبح اور شام کے اوقات میں پروگرام کو نشر کیا جائے ۔ ریڈیو سے ہٹ کر ایک اور موثر ذریعہ Television ہے ۔ اس کو بھی موثر طریقہ سے استعمال کیا جاسکتا ہے ۔

تقریباً 90% فیصد عوام تک Television پہنچ چکا ہے ۔ اس میں کوئی شکل نہیں کہ ہر امیر و غریب بچے اور بڑے عورت اور مرد کا یہ محبوب بن چکا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ سننے سے زیادہ دیکھنے پر یقین رکھتے ہیں ۔ جس کو ہم علم العین کہتے ہیں ۔

یعنی دیکھی ہوئی چیز پر یقین کرو اس طرح ہم ماحولیات سے پیدا ہونے والے بدامنیوں، خرابیوں اور گرتی ہوئی صحت کے مشاہدوں کو T.V. پر بتا کر ایک اہم مسئلہ کا حل نکال سکتے ہیں ۔ جتنی اس کی تشہیر ہوگی اتنا ہی یہ مشین کامیاب ہوگا ۔ لوگوں میں انکی ذمہ داری کا احساس پیدا ہوگا

ہم اس کے ذریعہ سے حکومتی اور غیر حکومتی اداروں، تنظیموں کی توجہ بھی حاصل کرسکتے ہیں ۔ ماحولیات کی وجہ سے موسموں کی تبدیلی، زہریلے مادوں کا اخراج، قحط سالی، طوفان و باد و باراں ط صنعتی حادثات اور زہریلے گیاسوں اور مادوں کا فضاء میں اخراج بڑھتی ہوئی آبادی کے مسائل، معاشرے کی گرتی ہوئی صحت کے مسائل عدم صفائی کی وجہ سے پھیلنے والی بیماریاں Epidemic بیماریاں بیکٹریا اور وائرس کے وجہ سے پھیلنے والی بیماریاں صنعت و مرفت کے شعبے سے تعلق رکھنے والے مزدور جو کارخانے میں کام کرتے ہیں ۔ وہاں پر نکلتے ہوئے مہلک گرد و غبار کی وجہ سے ان کی جو صحت خراب ہو رہی ہے اس پر غور کرنا اور اس کی تشہیر کرنا بھی ضروری ہے ۔ بہر حال Environmental Awareness کی بہت ضرورت ہے ۔ Environmental Ecology کی تعلیم بھی بہت ضروری

مشکل ہے لینا سانس بھی اس دور سائنس میں
انسان کی ترقی ہے یا اس کا ہے زوال

مجنوں کو ذمہ اور ہے لیلی بھی اب علیل
بچے جب ان کے ہونگے توجھونگے نہ کیوں نڈھال

صادق بھی ہے یہاں پر تو کاذب بھی ہے یہاں
سب اپنے دور کے ہیں اصحاب باکمال

نوٹ: اگر آپ کو ماحولیات پر یہ نظم پسند آئے تو احقر کو اس پتے پر لکھیں۔

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق ریسرچ اسکالر
بانی و صدر ادارہ ادب صادق

12-2-823/A/12/A/1,
Santoshnagar Colony, Mehdipatnam,
Hyderabad - 500 028. (A.P.) INDIA

علمائے دین و صوفی اکرام کے ادبی خدمات

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق
صدر ادارہ ادب صادق
پرنسپال سینٹ صادق ہائی اسکول
ریسرچ اسکالر
ایم اے اردو ادب (عثمانیہ) M.A. (Urdu Litt.) (Osm.)

کیا آپ جانتے ہیں کہ اردو دنیا کی تیسری بڑی زبان بن چکی ہے حالیہ سروے کے مطابق (نفوس) یعنے بولنے والوں کی تعداد پر چاینی (Chinee) زبان کو دنیا کی پہلی اور انگریزی زبان کو دنیا کی دوسری اور اردو کو دنیا کی تیسری بڑی زبان قرار دیا گیا۔ اگر کل اردو دنیا کی سب سے زیادہ بولنے والی زبان بن جائے تو کم از کم راقم الحروف کو تعجب نہیں ہوگا۔ کیوں کہ اس زبان کی بنیاد یعنی نظم و نثر اور ضبط تحریر میں لانے کی بنیاد اس کی ترقی و ترویج کی بنیاد ان متبرک ہاتھوں سے رکھی گئی ہے جنھیں ہم علمائے دین، صوفیائے اکرام کہتے ہیں۔ اردو زبان جس کی اپنی ایک دلچسپ تاریخ ہے جو ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کے باہمی ملاپ اور محبت سے پیدا ہوئی ہے۔ اس کو زندہ رکھنے میں ہر دور میں بلا کسی مذہب و ملت کی قید کے ہر اردو کا پروانہ شمع اردو کو روشن رکھنے کے لئے اپنے آپ کو جلاتا ہوا آیا ہے۔ اردو کی ترقی میں جہاں شاہوں نے سرپرستی فرمائیں وہیں ہر ادیب و شاعر نے اپنا خون دیا اور علمائے دین و صوفی کرام نے دوہرا کام کیا ایک تو مذہب کی تبلیغ کی اور ساتھ میں اردو کو فروغ دینے کے لئے اردو زبان کا کثرت سے استعمال کیا۔ دراصل جتنے بھی صوفی اکرام دین کی اشاعت فرمائے ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ بلا کسی مذہب و ملت کے پہلے تو انسانیت کا درس دیتے۔ اخلاق کی تعلیم اور مقصد زندگی کو سمجھاتے اس لئے ان کے مداحوں اور مریدوں میں اور ان کے چاہنے والے لوگوں میں ہندو مسلم، غریب امیر، شاہ گدا سب ہی ہوتے تھے۔ پہلے وہ سماجی و معاشرتی، اقتصادی پہلوں کو اجاگر کرتے انسانی کردار کی تعلیم دیتے اور بعد میں دینی اسلام جو ان ہی اصولوں پر بنا ہے قائم ہے۔ اس کی ترجمانی کرتے جس کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر ایمان کی پختگی آجاتی ہے تو ہندو اصحاب ان علمائے دین اور صوفی اکرام کے ہاتھ پر بیت کر کر اسلام کو قبول کرتے یہ ہی وجہ ہے کہ آج اسلام سارے عالم میں پھیل گیا ہے۔

علمائے دین کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ روزانہ یا ہفتہ میں دو بار وعظ فرماتے ۔ ان علمائے دین و صوفی اکرام جب باہر سے ہندوستان آئے تو انھوں نے سب سے پہلے یہ دیکھا کہ کونسی زبان زیادہ بولی جاتی ہے تو اس وقت دکن میں دکنی زبان زیادہ بولی جاتی تھی علمائے دین و صوفی اکرام نے دین کی اشاعت کے لئے عربی اور فارسی سے نابلد لوگوں کو دکنی زبان میں درس اور تدریس دینا شروع کیا۔ شروع شروع میں ان کا انداز بالکل صوفیانہ دکنی زبان کا تھا بعد میں ضروریات زندگی پر بھی انہوں نے اس زبان کا استعمال کیا۔ اس طرح ان کے ہاتھوں سے رکھی گئی بنیاد پر آج ہم اردو زبان کی تعمیر کر کر منزل پر منزل بناتے چلے جارہے ہیں ۔ باوجود اردو مخالف ماحول کے آج اردو ترقی کے زینے صرف اسلئے طے کررہی ہے کہ صوفیاکرام نے اسکی بنیاد رکھی تھی اور راقم الحروف کو یقین ہے کہ اس زبان کو تاقیامت زوال نہیں آئیگا۔ بلکہ یہ ترقی کرتی ہی چلی جائیگی مگر اس کے لئے ہمکو بھی محنت کرنا پڑے گا۔

آیئے ہم سب سے پہلے جائزہ لیتے ہیں اردو زبان کا۔ اس کے بعد چند مشہور علمائے دین و صوفی اکرام کے ادبی کارناموں کا۔

فیروز اللغات از الحاج محمد فیروزالدین کے مطابق زبان کے معنی

لہجہ۔ بول و چال اور بولی کے ہوتے ہیں یعنے لوگ آپس میں جس بولی میں بولتے ہیں ۔اس کو زبان کہتے ہیں۔ ظاہر کے زبانیں کئی ہیں جیسے انگریزی، فرانسیسی، اطالوی، جاپانی، سندھی، تلگو، کنڑی، ملیالم اور اردو۔

اس طرح ادب کے معنی تہذیب، شائستگی، ہر چیز کی حد کو نگاہ میں رکھنا، مراتب لحاظ وغیرہ ہیں تو ہم کو پتہ چلا کہ زبان اور ادب کے کیا معنی ہیں ۔ آیئے اب زبان کی تاریخ کی طرف سرسری جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ انسان پہلے اشاروں میں بات کرتا تھا آہستہ آہستہ اپنے حلق سے نکلی ہوئی آوازوں کو معنی اور مطلب دینے لگا پھر اس کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے کچھ لکیریں اور شکلیں بنانے لگا جس کو ہم حرف تہجی کہتے ہیں پھر اصول و ضوابط جس کو " قواعد " کہتے ہیں بننے لگے اور پھر زبانوں کا وجود عمل میں آکر انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے لگا۔

اردو زبان کا وجود کس طرح عمل میں آیا اس کا شجرہ کا ہم جائزہ لیں تو وہ اس طرح ہے۔

اردو زبان کا شجرہ

آریائی زبان

- مغربی آریائی زبان
- مشرقی آریائی زبان
  - انڈو آرین
  - انڈک
  - سنسکرت
  - پراکرت
  - شورمینی ۔ پالی ۔ مگدھی
  - برج بھاشا
  - اپ بھرنش کھڑی بولی
  - اردو

آیئے اب ہم اردو زبان کس طرح وجود میں آئی سمجھ چکے ہیں یا اس کا شجرے پر ایک سرسری نظر ڈال چکے ہیں ۔ ایک سرسری جائزہ علمائے دین اور صوفی اکرام کے ادبی خدمات پر ڈالنے سے پہلے ہم ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اردو کی ترقی میں سلطنتوں کا رول پر مختصر تذکرہ کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے ۔

پروفیسر ویبر کی تحقیقات کی رو سے چھٹویں صدی میں ہندوستان میں تقریباً (۲۰) بیس پیراکرت زبانیں بولی جاتی تھیں ۔ جس میں چند مشہور زبانیں پالی ۔ جینی ۔ مہاراشٹری ۔ مگدھی اور شورامنی تھیں ۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے دخول اور اسلامی حکومت کا آغاز ۷۱۲ء (۹۳ھ) میں ہوچکا تھا ۔ سندھا اور شمالی سرحدوں پر حکومت کرنیکے بعد انھوں نے دکن کا رخ

کیا۔ عربی فارسی وہ جو اپنے ساتھ لائے تھے یہاں کی ہندی اور برج بھاشا یا کھڑی بولی زبان کے ساتھ ملکر ایک نئی زبان اردو کی بنیاد پڑی۔ اردو کو اس لئے لشکری زبان بھی کہتے ہیں کیوں کہ یہ افواج کے ہندوستان میں پھیلنے سے پھیلی۔

اس کے اور دوسرے نام ہندی، ریختہ اور دکنی بھی ہیں اب آیئے دکنی میں ان حکومتوں کا جائزہ لیں جنکی سرپرستی میں اردو زبان فروغ پائی۔ اس کو ہم سات دور میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ بہمنی دور۔ ۲۔ قطب شاہی دور عادل شاہی دور۔ ۳۔ مغلیہ دور۔

۴۔ برٹش دور۔ ۵۔ سلطنت آصفیہ کا سنہرا دور۔ ۶۔ جمہوری حکومت کا پرانا دور۔ ۷۔ خالیہ دور

ہم یہاں پر چند مشہور اور اہم علمائے دین اور صوفی اکرام کا احاطہ کریں گے تاکہ یہ مضمون طوالت نہ اختیار کرجائے اور صرف چند بہمنی اور قطب شاہی دور کے صوفی اکرام جنکی وجہ سے اردو بول چال کی زبان سے ضبط تحریر میں آئی اور آج تک اس کی ارتقاء و تصنیف و تالیف کا کام جاری ہے۔ انکا ذکر کریں گے۔

تو آیئے اب ہم ان علمائے دین و صوفی اکرام کے ادبی خدمات کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ سید محمد حسین عرف خواجہ بندہ نواز گیسو دراج

محققین کی رائے میں خواجہ بندہ نواز اردو کے پہلے نثرنگار اور پہلے شاعر ہیں جن کے نسخے ہمیں دستیاب ہیں اور جنہوں نے اردو کو ضبط تحریر میں لاکر ہمارے لیے ایک بیش قیمت ریکارڈ چھوڑا ہے۔

یہ بہت بڑے عالم و فاضل، صوفی، نثرنگار و شاعر ہیں جنکا مزار شریف گلبرگہ میں موجود ہے اور ہر سال عرس ہوتا ہے جس میں بلا لحاظ مذہب و ملت لوگ شریک ہوتے اور اپنی مرادیں پاتے ہیں ہندوستان کی سرزمین پر آپ بہمنی دور جو (۱۳۵۰ء ۱۳۲۵ء) میں قدم رکھ کر ہم ہندوستانیوں پر بڑا احسان عظیم کیا۔ آپ فیروز شاہ بہمنی کے دور میں دکن تشریف لائے۔ فیروز شاہ خود آپ کا مداح تھا، شاعر تھا، بادشاہ وقت تھا اس کے دور میں اردو کی تصنیف و تالیف کا کام ہوا۔ اردو ترقی بھی کی اور اردو ضبط تحریر میں آئی اس لئے اس کا دور اردو کی تاریخ میں سنہرے الفاظ سے لکھا جائے گا۔ حضرت خواجہ بندہ نواز دین کی اشاعت کے لئے یہاں پر عام بولی جانے والی دکنی زبان میں وعظ و بیان، درس و تدریس کا

کام شروع کیا۔ آپ کے پاس ہر مذہب اور ملت کے لوگ آتے تھے آپ نے ہمیشہ بھائی چارگی، انسانیت، کردار سازی، رشتوں کی اہمیت، خدا کے احکام اور رسول اللہ کرم کے ارشادات کو کبھی نثر اور کبھی نظم کے ذریعہ لوگوں تک پہونچایا چونکہ آپ کی بات مادری زبان میں تھی یہاں کے علاقہ کے لوگ اس کو سمجھ گئے اور اسلام قبول کرنے لگے یا پھر اسلام سے متاثر ضرور ہوئے ۔ اس طرح دین کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اردو کی ارتقاء۔ تصنیف و تالیف کا کام بھی کیا جس کو ہم انکی ادبی خدمات کہیں گے ۔ آپ کا تخلص ءشہباز۔ تھا۔ آپ جہاں ایک پائے کے عالم دین اور صوفی تھے وہیں پر اردو کے پہلے نثرنگار اور شاعر بھی تھے ۔ آپ کی چند مشہور تصانیف کا ہم یہاں جائزہ لیں گے ۔

آپ فیروز شاہ بہمنی کے دور میں ۸۱۵ ھ میں گلبرگہ تشریف لائے اور تاحیات یہیں پر رہے ۔ آپ کے تصانیف میں بہت ہی آسان اور یعنی دکنی زبان کا استعمال کیا گیا ہے جو لوگوں کو بہت آسانی سے سمجھ میں آجاتی تھیں اس لئے آپ کا حلقہ بہت وسیع ہوگیا تھا ہر کوئی آپ کا مداح ہوگا تھا ۔ حضرت بندہ نواز کی جن تصانیف کا پتہ چلتا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

معراج العاشقین ۔ ہدایت نامہ ۔ تلاوت الوجود ۔ شکار نامہ اور رسالہ سہ بارہ وغیرہ ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی نظمیں لکھی ہیں ۔ جن میں قابل ذکر رنگ راگنیاں ۔ چکی نامہ ہے جو مختلف کتب خانوں کے بیاضوں میں آج تک بھی محفوظ ہیں۔

حضرت خواجہ بندہ نواز کی تصانیف وہ تصانیف ہیں جن سے قدیم ترین اردو نثر کا پتہ چلتا ہے ۔ آپ کی تصانیف کا ایک نمونہ پیش ہے ۔

> " انسان کو بوجھنے کو پانچ تن ۔ ہر ایکے تن کو پانچ دروازے ہیں اور پانچ دربان ہیں پہلا تن واجب الوجود ۔ مجقام اسکا اجارہ یعنی واجب کی انک سوں غیر نہ دیکھنا سو حرص کے کان سوں غیر نہ سنتا سو حد کی کنک سو بد بولی نہ لینیا سو۔ کینہ کی شہوت کو غیر جاگہ نہ حرچنا سو ۔ پیر طبیب کامل ہوتی نبض پچھان کر دوا دینا "
>
> (دکنی ادب کی تاریخ از ڈاکٹر زور)

اسطرح ہمیں پتہ چلتا ہیکہ اس نشر کاری سے جو بہت ہی آسان الفاظ کا حامل ہے کسطرح سے بزرگ محترم نے اردو کی اشاعت اور دین کی اشاعت فرمائی ۔ آیئے اب نشر

کے نمونہ کے بعد ہم آپکے منظوم کام کا جائزہ لیں۔ آپ شہباز" تخلص فرماتے تھے آپکے نظمیں چکی نامہ اور راگ راگیاں بہت مشہور ہیں،
یہاں پر نظم کے چند شعر درج ہیں

پانی میں نمک ڈال مزا دیکھتا وسے
جب گھل گیا نمک تو نمک بولتا کسے
یوں کھولی خودی اپنی خدا سات محمد
جب کھل گئی خودی تو خدا بن نہ کوئی وسے

جتنا کاجل اتنا بول ۔۔۔۔۔ اوس سے دونا گوند گھول
ذرا سی پھٹکری نمک لا چھوڑا ۔۔۔۔ قلم جیسے جوں ترکی گھوڑا

چکی نامہ:۔ اس نظم میں بارہ بند ہیں جس میں سے ہم چند بند۔ یہاں پر درج کرینگے۔

دیکھو واجب تن کی چکی	پیو چا تر ہو کے سکی
سوکسی ابلیس کھینچ کھینچ تھکی	کہے یا بسم اللہ اللہ ہو
الف اللہ کا دستاز	نے محمد ہو کر بتا
پہنچی طلب یوں کی دستا	کہے یا بسم اللہ اللہ ہو

آیئے اب خواجہ غریب نواز گیسودراز کی غزل کے کچھ شعر نمونے کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔

تو تو ہی ہے شکری کر نفس گھوڑا سار قوں
نا ہو نرم تجے اوپری پس پاوے گا آزار توں
گھوڑا کون تہر کھوڑ ہے یہ خیال اسکا ہوا ہے
تن لوٹنے کا جوڑ ہے نا چھوڑ اس مد تھار توں

تو اسطرح حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز کی ادبی خدمات کا ہم نے جائزہ لیا اور محققین

نے آپ کو پہلا نثر نگار۔ نظم گو اور شاعر قرار دیا ہے۔
آیئے اب ہم ایک اور عالم دین اور صوفی اکرام کے ادبی خدمات کا جائزہ لیں

۲۔ شاہ میراں جی شمس العشاق

شاہ میراں جی شمس العشاق بڑے پائے کے شاعر اور ادیب تھے۔ آپ اولیا اللہ میں سے تھے جنکا فیض عام اب اور آج تک عام بلا کسی مذہب و ملت کے۔ آج تک آپ کا عرس ہوتا ہے آپ کا انتقال ۲۰ شوال ۲۰۹ھ میں ہوا۔ اس وقت بادشاہ یوسف عادل شاہ آپ کا بڑا ادب کرتا تھا۔

دوسرے بزرگوں اور علمائے دین و صوفی اکرام کی طرح آپ بھی وعظ بیان فرماتے درس و تدریس کے ذریعہ دین کی اشاعت کے علاوہ دوسرے علوم (دینوی) پر بھی آپکے ارشادات ہوتے جیسے عوام کی بھلائی، بھائی چارگی وغیرہ۔ اور آپ اپنے وعظ وغیرہ میں آسان دکھنی اردو کا استعمال کرتے تھے جو یہاں پر عام طور پر بولی جاتی تھا۔ حضرت کے مریدوں کا حلقہ کافی وسیع تھا۔ آیئے ہم آپ کی تصانیف کا جائزہ لیں۔

سب رس (وجہی کی سب اس سے مختلف)

خوش نالہ
خوش نغز
شرح المقلوب القلوب وغیرہ

آیئے اب ہم خوش نالہ میں سے چند اشعار کا جائزہ لیں۔
شاہ میراں جی شمس العشاق کی تصنیف "خوش نامہ" کے چند شعر

صفت کروں میں اللہ کبری جسے لوالی لوان لور
نادر قدرتی انگیکا رول نیر سے نادور

نا اس روپ نا اس دیکھا نا اس تھا مکاں
رگنا گنونتا کرو کسی سکھ کروں بکھاں

خوش نغز

جنسے ہماری ارادت کی ان کا یہ احکام

نماز تسبیح نتیاں ذکر اللہ یک نام

اس پر جیتا رہے صدق سن اوتا اچھے لاب

دین و دنیا دیدار بہشتاں پاویں بے حساب

خش پوچھے کے کہو میرا نجی عالم اچھے کہتے

پیر کہیں سن جیتے تن اچھیں عالم تیتے

آپ کی کتاب سب رس، سے موسوم ہے آئیے اب ایک نثری نمونہ پیش کروں

" ارے طالب خدائے تعالیٰ ایک محبوب ہے ۔ فقیر لوگ اسکے عاشق ہیں ۔ ہر ایک عاشق اسکوں یاں حیران کیا ہے ۔ اگرچہ وہچہ موہ ہے وہچہ لب ہے وہچہ انکھیاں ہیں جس نے جیوں ایچھا ہے تیوں بیاں کیا ہے ہر ایک کا کہنے میں لطافت ہے ۔ ہر ایک کے کہنے میں ایک راحت ہے ۔ ہر ایک کو یک جنسی سوں وصال ہوا ہے اس کا حسن بے نہایت ہے ۔ ہر ایک پر ایک کرم ایک عنایت ہے ۔ ہر ایک سوں ایک سوں مرتب حاصل ہوا ہے "
(دکن میں اردو از نصیر الدین ہاشمی)

تو یہ تھیں انکی ادبی خدمات ۔ آئیے اب ہم ایک اور صوفی کی ادبی خدمات کا جائزہ لیں ۔

شاہ راجو حسینی ائمہ (چکی نامہ کے خالق)

آپ قطب شاہی دور کے صوفی و بزرگ ہیں آپ آخری بادشاہ ابوالحسن تانا شاہ کی پیشن گوئی فرمائی تھی کہ وہ بادشاہ بنے گا ۔ اور واقعی ابوالحسن تاناشاہ قطب شاہی دور کا آخری بادشاہ بنا ۔ آپ بہت ہی سادہ مزاج اور بلند خیالات کے حامل تھے آپ کے مریدوں میں بادشاہ وقت سلطان عبداللہ قطب شاہ اور بعد میں بہت سے غیر مسلم اور مسلم لوگوں نے ہاتھ پر بیت کی اور اپکا فیصان پایا ۔ آپ کا سلسلہ حسب و نسب حضرت خواجہ بندہ نواز سے جا ملتا ہے ۔ آپ کیا مزار ابوالحسن تاناشاہ نے تعمیر کرایا جو آج بھی حیدرآباد کے محلے فتح دروازہ میں موجود ہے ۔ آپ پائے کی شاعری فرماتے تھے آپ کے کچھ شعر بطور نمونہ پیش

ہیں۔ آپ نے کئی نظمیں لکھی ہیں جن میں بہت سی عورتوں کے لئے لکھی ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

سن ری سہاگن سن ری سن ۔۔۔ یک یک بول چت دھر سن
کن سو سے گیت پانی کمانا ۔۔۔ کھولنا کہنا بھید بیاں
مست دیوا میں بجس گے ۔۔۔ بہوت دیو یا کہیں یو نجینگے
جانی جو سے پوچ نکو ۔۔۔ سکہ ہوں برا کوج نکو

چکی نامہ، کا نمونہ

بسم اللہ بسم اللہ ہر دم میں بو بونگی ۔۔۔ شاہور صفت کے موتیاں کو رولوں گی
بسم اللہ بسم اللہ میرے من کا ۔۔۔ ہر دم وظیفہ نا اسی اس بن کا
پسم اللہ جو نا اس یک بار کہے گی ۔۔۔ بدی اسکی نہ سے باقی نا رہیں گی

شاہ راجو حسینی کے چکی نامہ سے پتہ چلتا ھیکہ آپ کس طرح سے عورتوں کو دین کا سبق دیا کرتے تھے۔ اس طرح آپکے ہر شعر میں تصوف کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ آیئے اب ہم ایک اور صوفی شاعر کے ادبی خدمات کا جائزہ لیتے ہیں جنکا نام ہے "

شاہ غلام حسین

شاہ غلام حسین اور جنکی تصانیف میں صرف ایک "لگن نامہ" ہمدست ہوئی ہے جو سالار جنگ میوزیم میں رکھی ہوئی ہے ایک اور دوسری تصنیف "رنگ نامہ" ہمدست ہوئی ہے یہ دونوں مثنویاں ہیں شاہ غلام حسین ایک صوفی بزرگ شاعر تھے جو ایلچ پور (برار) سے تعلق رکھتے تھے۔ ایلچ پور کبھی دکن کی عمادشاہی حکومتکا دارالحکومت تھا اور علم و ادب کا مرکز رہا تھا۔ غلام حسین کے اجداد ال آباد سے (برار) آکر بس گئے تھے عمادشاہی دور میں آپکا انتقال ۱۷۰۶ء میں ہوا۔

آیئے آپ کے چند اشعار بطور نمونہ پیش ہیں۔

تمنا کوں اے سہلیاں مٹھے بجن سناؤں ۔۔۔ ملک کان دھر سنو تو پھولوں تمن ملاوں
ہو کے اپر تمہیں سب تن من اپکاؤ اور ۔۔۔ پیو کو سمجھ ایک دم نکو بسارو
پیو کے چرن کے ۔۔۔ نس میں بہاؤ ۔۔۔ مثل ۔۔۔ اس کو ۔۔۔ تجے ۔۔۔

جوبن یوہورہی کیوں بدمست اے دیوانی   جو بن کے آونے میں چلنے لگی

اب ہم "انگ نامہ" جو ایک مختصر مثنوی ہے جس میں ہندو مسلمانوں کو اتحاد سے رہنے کی ہدایت کی گئی ہے اس کے چند شعر بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

یوں دونوں جنے ایک جاسوں آئے   جگت میں مسلمان ہندو کہا ہے
گھڑا ہے کمار ایک ماٹی کے بھانڈے   ہوا کوئی ملا ہوا کوئی پانڈے
دونوں جنے کیوں بھٹکتے چلے ہیں   جگت میں مسلمان ہندو کہا ہے
مسلمان مسجد میں سجدے کو جاویں   ہوا کوئی ملا ہوا کوئی پانڈے
مسلمان اللہ کا نام بولیں   کدھر سوں کدھر کو بھکتے چلے ہیں
زبان سو کہیں دل سوں اپنے بساویں   او ہندو بھی پونجا کو دیول میں جاویں

(از "یک رنگ نامہ" مملوکہ ڈاکٹر نعیم الدین رسالہ نوائے ادب اپریل ۱۹۵۸ء)

تو اس طرح سے آپ کے ملاحظہ فرمایا کہ کس طرح سے صوفیوں، بزرگوں، علمائے دین نے اردو زبان کے ذریعہ اخلاقیات اور بھائی چارگی کی تعلیم دی ہندو مسلم اتحاد کی تعلیم دی۔ نظم و نثر، مرثیہ، مثنوی ہر صنف سخن پر کا کام کرکر اردو ادب اور زبان کی خدمت کی۔ اس طرح ہم یہ ایک " تحقیقی مقالہ "کو جو علمائے دین اور صوفی اکرام کے ادبی خدمات " کے عنوان سے تھا اختتام کو پہنچاتے ہیں۔ راقم الحروف اور بھی بزرگان دین کے ادبی خدمات کو بعد مواد حاصل ہونے کے روشنی ڈالنے کی کوشش میں ہے۔ کتب خانوں میں بڑی مشکل سے مواد حاصل ہوتا ہے۔ سالار جنگ میوزمیم میں بھی چند مخطوطات اور ادارہ ادبیات اردو کتب خانہ آصفیہ قابل مبارکباد ہے جنھوں نے بڑی حفاظت سے بزرگان دین اور اولیائے اکرام کے تصانیف کو رکھا ہے۔ بحر حال یہ تحقیقی مقالہ اختتام کو پہنچاتے ہیں۔ احقر کے لئے دعا فرمایئے۔

کتابت : ۱) دکن میں اردو۔ از: نصیر الدین ھاشمی
۲) دکنی ادب کی تاریخ۔ از: سید محی الدین قادری زور

آرکیالوجی

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق
ریسرچ اسکالر
(ایم اے آرکیالوجی)

قدیم یعنی Ancient
عثمانیہ یونیورسٹی میں آرکیالوجی (Archaeology)
" Indian History and Archaeology " کے تحت پڑھایا جاتا ہے۔
M.A. میں یہ ایک پوسٹ گریجویشن کورس ہے، جو عثمانیہ یونیورسٹی میں M.A. میں
پڑھایا جاتا ہے۔ کوئی بھی گریجویٹ اس کورس میں انٹرنس (Entrance) کا امتحان پاس
کرنے کے بعد ریگولر (Regular) کورس میں داخلہ لے سکتا ہے۔ جو لوگ باضابطہ
کلاسس میں شرکت خواہاں نہیں ہیں، وہ (MA External) میں ضابطہ کی کاروائی
کرنے کے بعد درخواست کے ذریعہ منتخب ہونے کے بعد دوسالہ کورس میں ڈگری حاصل
کرسکتے ہیں۔ ذاتی طور پر کتب حاصل کرکر پڑھ کر امتحان دینا ہوگا لیکن اب یہ اکسٹرنل کورس
ختم کردیئے گئے ہیں اس لئے ریگولر کورس ہی کرنا پڑیگا۔ یہ ایک (Professional)
کورس ہے اور Technical کورس بھی۔ MA میں کامیابی کے بعد روزگار کے اچھے
مواقع ہے مثلاً کسی کالج میں لکچرر کا پوسٹ یا پھر یونیورسٹی میں لکچرر کا پوسٹ حاصل کرسکتے
ہیں۔ اس کے علاوہ آثار قدیمہ کے محکمہ میں بھی نوکری مل سکتی ہے۔ کسی بھی میوزیم میں
بھی ملازمت حاصل کرسکتے ہیں۔ ساری دنیا میں اس کورس کی اور ڈگری کی قدر ہے۔ حصول
ملازمت سے ہٹ کر حصول علم اہم ہے اور علم حاصل کرنے کی نیت سے پڑھنا احسن ہے
تاکہ علم کی روشنی سے خود کو مالا مال کرسکتے ہیں۔

Archaeology is the scientific study of Antiquity By analysing the matcrial remains of anccint Human occupations

ارکیالوجی دراصل ایک ایسا مضمون ہے جس میں قدیم سکوں کی پہچان میں استعمال کیا
جاتا تھا۔ آرکیالوجسٹ کو سکوں کی سائنس یعنی (Numistimatics) سے بخوبی واقف
ہونا پڑتا ہے۔ وہ علم نیمس میاٹک کے ذریعہ سکے کو دیکھ کر بتا سکتا ہے کہ وہ کون سے دو

کا ہے کس بادشاہ کے زمانے میں رائج تھا۔ تاریخ وغیرہ پھر اس زمانے کے لوگوں کے بارے میں تفصیلی طور پر بتا سکتا ہے۔ ایک ارکیالوجسٹ کو علم (Paliography) پالیوگرافی سے بھی واقف ہونا پڑتا ہے۔ اس علم میں (Old Hand Writing) قدیم تحریروں کو پڑھنے کی مہارت حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح کوئی بھی آرکیالوجسٹ کسی بھی قدیم تحریر کو دیکھکر پڑھ کر بتا سکتا ہے کہ یہ کس دور کی اور کونسی زبان ہے اس طرح ہم کو تاریخ سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ایک ارکیالوجسٹ کو Epigraphy کے علم سے بھی واقف ہونا ضروری ہے۔ یہ وہ علم ہے جس میں پتھر یا کسی دھات (Stone Or Metal) پر تحریر یا نقوش کے بارے میں کس طرح سے معلوم کیا جائے کہ وہ کس دور سے تعلق رکھتے ہیں بتلایا جاتا ہے۔ یہ ایک بہت ہی دلچسپ مضمون ہے جس میں مہارت صرف ذاتی دلچسپی کے بناء پر اور تجربہ کی بناء پر حاصل کی جاسکتی ہے۔ ایک آرکیالوجسٹ کو میوزولجسٹ Musologist بھی ہونا پڑتا ہے۔ یہ لفظ میوزمیم (Museum) سے بنا ہے جو کہ ایک Orcall لفظ Mouseion سے ماخوذ ہے۔

آرکیالوجی کی اہمیت زمانہ قدیم سے ہی ہے۔ ایک آرکیالوجسٹ دنیا کے کسی بھی حصہ میں روزگار تلاش کرسکتا ہے۔ تاریخ قدیم اور آرکیالوجی کا چولی دامن کا ساتھ ہے دوسرے معنوں میں یہ سکہ کے دو رخ ہیں۔ آرکیالوجی کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ یہ ایک ایسی سائنس ہے جس کے ذریعہ ہمارے ماضی کے دور کی صحیح عکاسی ہوتی ہے۔ ہڑپا اور مہنجدارو کی کھدوائیوں سے قدرے ہم واقف ہوئے ہیں کہ Civilisation آج سے ہزاروں سال پہلے بھی کسی حد تک ترقی پاچکا تھا۔ اور یہ سب ممکن ہوا ہے محکمہ آرکیالوجی کی وجہ سے۔ آپ کسی بھی دفینہ یا پھر کھدوائی کے دوران کسی بھی عمارت کا پتہ چلتے ہی آثار قدیمہ کے اسٹاف کو بلاتے ہیں جن میں آرکیالوجسٹ شامل رہتا ہے اور تحقیق کے بعد بتادیتا ہے کہ یہ کسی زمانے کا دفینہ ہے یا پھر عمارت ہے۔ بحر حال ارکیالوجی ایک اہم Subject ہے۔

دکن کی آلودہ جھیل حسین ساگر

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق
صدر ادارہ ادب صادق
پرنسپال، سینٹ صادق ہائی اسکول
ریسرچ اسکالر P.G. Dip. in Environmental Studies

حیدرآباد شہر کی تاریخ بہت پرانی ہے ۔ آج ہم حیدرآباد کا چار (۴) سو سالہ جشن منا رہے ہیں ۔ اس شہر کو بسانے میں شاہوں نے اپنا ذر لگایا غریبوں نے اپنی محنت سے عالیشان عمارتیں ۔ راستے شاہ راہیں ۔ تالابیں تعمیر کیں وہیں مفکروں دانشوروں ، انجنیروں نے اپنی ذہنی صلاحیتوں کا استعمال کیا ۔ آج ہم ایک سانس لیتے ہوئے بھی گھبراتے ہیں کہ پتہ نہیں اس ذہریلی ہوا میں کون کونسے ذہریلے عناصر ہیں جو ہمارے لئے جان لیوا ثابت ہوسکتے ہیں ۔ اس شہر کا چپہ چپہ آلودہ ہوچکا ہے ۔ شہر میں دستیاب پانی کی جھیلیں ، تالابیں اور ندیں بھی آلودہ ہوچکے ہیں ۔ آلودہ پانی ، آلودی فضاء ، آلودہ ذہن ، آلودہ غذا ۔ ایسے ماحول میں زندگی کو کوئی کس طرح گزارے ؟

آیئے ۔ اب ہم آلودہ دکن کی آلودہ جھیل حسین ساگر کا جائزہ لیں ۔

شہر حیدرآباد میں آج سے چار سو سال پہلے حضرت حسین شاہ ولی جنکی آج مزار حیدرآباد کے نواحی علاقے میں موجود ہے تعمیر کیا تھا ۔ یہ حسین ساگر ان ہی کے نام سے مشہور ہے اس کا آبگیر علاقہ 240.5 اسکائر کلو میٹر پر محیط ہے اور اس کا اصل آبی سطحی علاقہ 6.5 اسکائر کیلو میٹر پر محیط ہے ۔ یہ تالاب اس وقت زراعتی ، آبپاشی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ پینے کے پانی کی سربراہی کے لئے بنایا گیا تھا ۔ اس کے آبگیر علاقوں میں حسب ذیل نالوں سے اس تک پانی پہنچتا تھا

مثلاً کوکٹ پلی نالا ۔ یوسف گوڑہ نالا ۔ بنجارہ ہلس نالاا ۔ بلکا پور نالا ۔ پکٹ نالا تقریباً آج سے (77) سال کے قبل اس کا پانی بوجہ آلودگی پینے کے لئے ناکارہ قرار دیا گیا تھا ۔ جس کی وجہ سے پینے کے لئے استعمال نہیں ہورہا تھا ۔

دوسرے معنوں میں 1930ء سے اس پانی کا استعمال گھریلو ضروریات کے لئے نہیں کیا جارہا تھا ۔ زراعت بھی اس پانی سے نہیں ہورہی تھی ۔ کیوں کہ زہر اس کے آبگیر علاقوں تک پھیل چکا تھا ۔ اور اب تو خود حسین ساگر کے اندر بدھا پورنیما روڈ

Budha Purnima Road بنائی گئی ہے۔ اور ایک نکلیس Road بھی تعیر کر کر اس کے رقبہ کو محدود کر دیا گیا ہے۔ اس کی آلودگی کا جائزہ اگر ہم لیں تو ہم کو پتہ چلے گا کہ حسین ساگر کا تلاب آج کل گندگیوں کی نکاسی کا مرکزی مقام بن چکا ہے۔ صنعتی علاقوں میں موجود تمام کارخانوں کا فضلاء کوکٹ پلی نالہ اور دوسرے نالوں کے ذریعہ سے حسین ساگر میں ڈالا جارہا ہے۔ حسین ساگر کے اطراف جن بستیوں میں کارخانے ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ جڈی مٹلا۔ بالا نگر۔ صنعت نگر۔ کوکٹ پلی ان تمام علاقوں میں سے کارخانوں سے فضلاء حسین ساگر میں ڈالا جارہا ہے۔ حالانکہ 25 سال پہلے ایک خصوصی نالا کوکٹ پلی (Main) بنایا گیا تھا جس سے حسین ساگر آلودہ ہونے سے محفوظ رہ رہا ہے۔ لیکن اس کی پائپ لائین پھوٹ جانے کی وجہ سے اور اس پر عدم توجہ اور لا پرواہی کی وجہ سے آلودگی کا مسئلہ اپنی جگہ قائم رہا۔

عثمانیہ یونیورسٹی Water Pollution Control Board ۔ 1986، کے مطابق حسین ساگر کے پانی میں Iron (لوہا)۔ Lead Techromium Zinc (کرومیم) Copper کی مقدار حد درجہ بڑھ گئی ہے جس کی وجہ سے حسین ساگر میں موجود مچھلیاں یا تو مر رہی ہیں یا پھر ایک بیمار زندگی گزار رہی ہیں۔ ان مچھلیوں کو کھانے سے لوگوں کی صحت پر بھی اثر پڑرہا ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ حکومت آندھرا پردیش کا محکمہ نظامت (Secreteriate) جس کو کہتے ہیں اس جھیل کے بالکل بغل میں موجود ہے۔ جہاں روز چیف منسٹر اور چیف سکریٹری ریاستی حکومت کے امور کا جائزہ لیتے ہیں۔ اور اس پانی سے آنے والی بدبو کو محسوس بھی کرتے ہیں۔

اس کے باوجود کوئی عملی اقدام اس جھیل کو پاک کرنے کا نہیں کرتے جب جب یہ نہیں کرتے اس جھیل کی صفائی تو جھیل کیسے پاک ہوگی۔ Tank Bund یا حسین ساگر کٹہ جہاں پر لوگ گرما میں خاص طور سے تفریح کے لئے جاتے ہیں وہ لوگ بھی اس جھیل سے آنے والی بدبو کو محسوس کر رہے ہیں، حد تو یہ ہوگئی ہے کہ اس پانی میں کے زہریلے معدے (Acid) ایسڈ میں تبدیل ہو کر بخارات کی شکل میں اڑ کر پھر ترشئی۔ بارش کی شکل میں برس رہے ہیں۔ جسے Acid rain کہتے ہیں۔ حسین ساگر پر اس ترشئی بارش کا ذکر ہمارے شہر کے کئی ایک روزناموں میں آچکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود حسین ساگر کو پاک کرنے کے بجائے مزید آلودہ کیا جارہا ہے۔ اور شہریوں کی صحت اور زندگی سے کھیلا

جارہا ہے۔ حسین ساگر کی آلودگی کا ایک اور بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اس میں ہر سال گنیشوں کو لاکر ڈوبایا جاتا ہے۔ جسے ہم گنیش وسرجن کہتے ہیں۔ یہ سلسلہ تقریباً 20 یا 25 پچیس سال پہلے سے شروع ہوا ہے اور اب حد تو یہ ہے کہ بڑی بڑی مورتیاں 15 (پندرہ) فٹ دس دس فیٹ چوڑائی لانبائی رکھنے والی مورتیاں جو مختلف دھاتوں سے بنائی جاتی ہیں۔ حسین ساگر کے پانی کو مزید آلودہ کررہی ہیں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مورتیاں کو ڈوبا کر وسرجن کی رسم پوری کرکر واپس پانی میں سے نکال لیا جاتا تو پانی بھی آلودہ نہ ہوتا اور رسم بھی پوری ہوجاتی۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے Water Pollution Control Board نے 1986ء میں ہی واضح طور پر اپنی رپورٹ میں بتادیا تھا۔ کہ لورہے کی مقدار پانی میں Iron۔ 1.97 ملی گرام پر لیٹر zinc (زنک) 186.00 ملی گرام پر لیٹر lead۔ 41.10 ملی گرام پر لیٹر پائی گئی ہے۔ اب ان مورتیوں کے پانی میں ڈوبو دینے سے پانی میں ان معدنیات کی مقدار اور بڑھ جائے گی نتیجہ پانی مچھلیوں کے لئے اور دوسرے لوگ جو اسکو استعمال کررہے ہیں۔ انجانے میں نقصاندہ ثابت ہوگا۔

حسین ساگر جھیل کو اگر صاف کرنا ہے تو چند اقدامات فوری جنگی پیمانے پر کرنے ہوں گے۔

سب سے پہلے اس میں جو مختلف علاقوں سے نالوں کے ذریعہ گندگی آکر مل رہی ہے اس کی روک تھام کریں۔ گنیش وسرجن کو فوری طور پر بند کردیا جائے یا کم کیا جائے یا باہم گنیش کی مورتیوں کو ڈوباتے ہی فوری کرین سے باہر نکال لیا جائے۔ اس کے آب گیر علاقے پر جو ناجائز قبضے ہوکر جو روڈ (Road) وغیرہ بنائے جارہے ہیں ان کو فوری روک دیا جائے۔ پانی کو صاف کرنے کے کوئی Scientific تدابیر ڈھونڈے جائیں یا پھر حسین ساگر کا پورا پانی بہادیا جاکر اس کو پھر سے پاک وصاف کرکر اس میں پھر سے تازہ پانی چھوڑا جائے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اپنا چار سو سالہ جشن منائے یا کہ ماتم۔ جشن منانے کی وجوہات کم اور ماتم منانے کی وجوہات بہت زیادہ نمایاں اور صاف ہیں۔ جیسے بڑھتی ہوئی اور بے ہنگم ٹرافک بے شمار زہریلا دھواں اگلتی ہوئی کاریں، موٹریں گندہ بستیوں کی بہتات پانی، غذا ہر چیز میں ملاوٹ تنگ وخستہ سڑکیں گندی ہوا میں گھٹی پبلک (Public Places) یا اس اور شہر کے جھیلوں اور تالابوں میں ناجائز قبضے اور عمارتیوں کی ناجائز تعمیر کیا۔ ایسے ماحول میں کیا ہمارا چار سو سالہ جشن منانا جائز ہے یا ماتم کرنا یہ فیصلہ راقم الحروف کرنے سے قاصر ہے۔ اس لئے آپ پر چھوڑتا ہے۔ فیصلہ کرنے

سے پہلے عنوان پر غور کیجیے۔

ہمارا عنوان ہے دو آلودہ شہر کی آلودہ جھیل حسین ساگر، آلودگی کے معنے " فیروز اللغات" کے مطابق گندگی کے اور اور ناپسندیدہ چیز کے اور گناہ گاری کے ہوتے ہیں۔ کیا ہم اور ہمارا شہر آلودہ نہیں ہے کیا ہم گناہ گار نہیں ہے جو ہم اپنے شہر کو اپنے ہاتھوں سے آلودہ کررہے ہیں۔

آلودگی کو دور کرنے کے لئے ہم پہلے اپنا جائزہ لے کر اپنی آلودگی کو دور کریں اور پھر اس شہر آلودہ کو پاک کرنے کی سعی یعنی کوشش کریں۔

قطعہ پیش خدمت ہے حسین ساگر پر

کتنی حسین جھیل ہے دکن کی یہ جناب
اس کے بنا ادھوری ہے دکن ہر کتاب
صادق حسین ساگر ہے شایان شان ایک
آلودہ شمع ہوگئی خطرے میں ہے حباب

سیکس ایجوکیشن
(Sex Education)
ایڈس (AIDS) کی روک تھام میں معاون

SEX کی تعلیم کی اہمیت سے ہم سب تو متفق ہیں لیکن پھر بھی بعض شعبوں میں اس تعلیم کو عام کرنے یا اس پر کسی قسم کی بات کرنے سے ہچکچاتے ہیں مثلاً شادی۔ بیاہ میں لین دین گھوڑا جوڑا کی لانت کو دور کرتے مدارس اور کالجوں میں کسی قسم کا کوئی کورس آج تک نہیں شروع کیا گیا جس کی وجہ سے سماج میں گندگیاں اور برائیاں پھیلتی جارہی ہیں بالکل اس طرح ساس اور بہو کے رشتوں کی اہمیت اور شادی کے بعد سمدھاوا کے ساتھ کس طرح تعلقات کو استوار رکھنا چاہیے اس کی بھی کوئی تعلیم کہیں بھی نہیں دی جارہی ہے۔ رشوت اور اس کے اثرات کے بارے میں آج تک کوئی کورس مدرسوں یا پھر کالجوں کے اندر نہیں شروع کیا گیا ہے۔ ان سب سے ہٹکر آجکل ہمارے سماج میں ہمارے سوسائٹی میں ہمارے معاشرے میں جس تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت ہے وہ ہے Sex Education جس کو ہم آج تک اسکول یا یونیورسٹی لیول پر بھی رائج کرنے سے شرماتے ہیں، جھجکتے ہیں اب جبکہ دنیا میں ایڈس جیسے موذی مرض کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جارہی ہے۔ ہم ابھی یہی سوچنے میں رہ گئے ہیں کہ اس کی تعلیم اسکول یا کالج کے لیول پر دیں یا نہ دیں اگر دیں تو کس طرح دیں ہمارا Syllabus یا کورس کس طرح کا بنائے۔ جس سے اس بیماری کے بارے میں ہماری نوجوان پیڑی کو جو زیادہ تر اسکول و کالج کے پیریڈ میں ہی بگڑتے ہیں۔ فائدہ پہنچے بد قسمتی سے مرض ایڈس کا تعلق جنسی اختلاط یا سیکس پر ہی اپنا دار و مدار رکھتا ہے۔ ہم کو اگر ایڈس کے بارے میں سمجھاتا ہو تو بغیر سیکس کے ایجوکیشن کے ہم اس بیماری کے بارے میں موثر انداز میں نوجوان پیڑی کو سمجھا نہیں پائیں گے اور اگر ہم ٹھیک سے ایڈس کے بارے میں سمجھا نہیں پائیں گے تو پھر کس طرح مرض ایڈس پر قابو پا سکیں گے۔

تو ہم کو پہلے یہ طے کرلینا چاہیئے کہ سیکس ایجوکیشن یا جنسی تعلیمی اسکول اور کالج کے لیول پر دینا بے حد ضروری ہے میں اس کے چند وجوہات آپ کے سامنے رکھنے کی کوشش کروں گا سب سے پہلے یہ کہ کمپیوٹر کے الکڑانک اور کمیونیکیشن کا اور

انھوں نے نوجوانوں کے روزمرہ زندگی کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے ہمارے پاس اٹھارہ سال کے لڑکے کو یا لڑکی کو بالغ مانا جاتا ہے۔ ایسا بہت زمانہ سے ہے قانون کی نظر میں اٹھارہ سالہ لڑکا یا لڑکی بالغ کہلاتا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ جس طرح ووٹنگ کے معاملے میں 21سال سے 18سال کر دی گئی ہے بالکل اس طرح بلوغت کی عمر کو 18سال سے گھٹا کر کم سے کم 13یا 14کر دینا چاہئے میں یہ مانتا ہوں کہ 13یا 14سال میں لڑکے یا لڑکی کے جسم پوری طرح سے سیکسی طور پر نشوونما نہیں پاتے لیکن ان کے ذہن ٹی وی اور ماس میڈیا کے ذریعہ فلمیں وغیرہ دیکھکر سیکس کو سمجھنے کے لائق ہو گئے ہیں اس نقطہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اسکول وہ کالج کی بنیاد پر باضابطہ ایک کورس مرتب کرکر پڑھا سکتے ہیں اب جبکہ مرض ایڈس ہوا کی سی رفتار سے غیر محسوس طریقے سے پھیل رہا ہے۔ اس کی روک تھام میں ایک موثر رول ادا کر سکیں۔ ہمیں جہاں تک مرض ایڈس کا تعلق ہے وہ اب اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اس کے باضابطہ دواخانے اور آشرم کھلنے لگ گئے ہیں حال ہی میں بینکاک (Bangkok) میں ایک بہت بڑا ایڈس آشرم کھول دیا گیا ہے۔ جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ مرض ایڈس کے مریض دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہندوستان کی آبادی کے لحاظ سے دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے اور اس وقت ہندوستان میں مرض ایڈس کے مریضوں میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے خاص طور سے شہروں میں تقریبا ہر پانچ ہزار لوگوں میں ایک مریض مرض ایڈس کا نکل آتا ہے۔ یہ مرض لاعلاج ہے۔ آج تک اس پر ریسرچ چل رہی ہے کروڑہا روپے اس مرض پر خرچہ ہو رہے ہیں لیکن اس کا علاج ابھی تک ایک خواب بنا ہوا ہے۔ اب جب کہ مستقبل قریب میں مرض ایڈس کا کوئی علاج یا کوئی دوا ایجاد ہونا مشکل ہے۔ تو ہمارے پاس ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ لوگوں کو اس مرض سے دور رکھنے کے لئے احتیاطی تدابیر بتائیں ویسے تو ٹی وی اور اخباروں میں کافی تشہیر اس مرض سے دور رہنے کی کی جا رہی ہے۔ اور یہ تشہیر آج سے نہیں بلکہ جب سے مرض ایڈس کی تحقیق ہوئی ہے کی جا رہی ہے۔

لیکن اس کے نتائج 0فیصد ہی ہیں۔ یہ اس لئے کہا جا رہا ہے کہ مرض ایڈس کو پھیلنے سے روکنے میں ان تشہیروں نے کوئی نمایاں رول انجام نہیں دیا۔ آج بھی روزانہ سینکڑوں مریض اس مرض میں نادانستہ طور پر مبتلا ہو رہے ہیں۔ بات غور کرنے کی یہ ہے کہ کیا صرف یہ تشہیریں ٹیلی ویژن یا اخباروں میں احتیاطی تدابیر کو اپنانے جو طریقے رائج ہیں۔ کافی ہیں اگر نہیں ہیں تو پھر ہمکو کیا طریقے اپنانے چاہئے۔ جس کی وجہ سے اس

Spaceage دور کا آج کا بچہ دس بارہ سال کی عمر کو پہنچتے پہنچتے وہ تمام معلومات حاصل کرلیتا ہے جو آج سے پچاس سال پہلے ایک 25 سالہ نوجوان بھی نہیں جانتا تھا۔ یہ سب میڈیا۔ اخبارات اور ٹیلی ویژن و فلموں کی وجہ سے ہوا ہے چاہے لڑکا ہو یا لڑکی بارہ تیرہ سال کی عمر میں وہ بہت کچھ سمجھنے لگے ہیں اور اپنے آپ میں اپنے جسم میں کچھ تبدیلیاں محسوس کرنے لگے ہیں چونکہ ان کو اس عمر میں کوئی رہنمائی یا رہبری مکان میں یا مدرسے میں نہیں ملتی اس لئے وہ جو بھی ٹی وی وغیرہ پر دیکھتے ہیں اپنے آپ کو اس Glamour کا ایک حصہ سمجھنے لگتے ہیں اور وہیں سے بگاڑ شروع ہوتا ہے معاملہ بہت سنگین نازک اور اہمیت کا حامل ہے آج ملک کا ہر دانشور اور طبیب و ڈاکٹر میرے اس بات کی تصدیق کررہا ہیں۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ جب ہم انسانی جسم کے بارے میں سائنس میں ہر ایک انسانی اعضاء سے واقف کرتے ہیں تو پھر Sexual Organs کے بارے میں تفصیلی تعلیم دینے سے کیوں ہچکچاتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ صحیح عمر میں شادی وغیرہ کی رہنمائی کرنے میں کی تضاخل ہے اگر یہ بات میں آپ کے علم میں لاؤں تو آپ کو تعجب ہوگا کہ .M.B.B.S کورس میں بھی جس میں ایک مکمل ڈاکٹر بن کر ایک شخص نکلتا ہے اس میں یعنی Sex Education کے نام کوئی Subject خاص طور سے نہیں رکھا گیا ہے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ ہمارا ہندوستانی معاشرہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم بچوں کے ساتھ ہر بات کھل کر کریں لیکن ہم اگر اپنے معاشرہ میں Sex Education کی کمی کی وجہ سے مکمل تباہی مرض ایڈس کی وجہ سے اس پر سکون ماحول میں بیماریوں کو پھیلنے دیں گے تو پھر ہم سے بڑے ناداں کوئی اور نہیں ہونگے اور آنے والی نسلوں کو تباہ کرنے میں ہمارا بھی ہاتھ رہیگا لہذا اب وقت آگیا ہے کہ اس نازک مسئلہ کو مذہب اخلاقیات اور سماجیات رسم و رواج (ٹریڈیشن) اور ہمارے ہندوستانی ماحول سے اوپر اٹھکر سوچیں اور سیکس کے ایجوکیشن کو ہائی اسکول اور کالج کے کورس میں شامل کرنے میں ہی عقلمندی ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ اس بات پر کہ حکومت یہ کہتے ہوئے کہ آج کل کے نونہال پرانے زمانے کے نونہالوں سے بہت ذہین اور ہر بات کو جلد سمجھنے کے لائق ہوگئے ہیں کہہ کر ووٹ دینے کی عمر کو جو پہلے 21 سال تھی 18 سال کردیئے ہیں یہ کہکر کہ اٹھارہ سالہ لڑکا یا لڑکی سیاسی شعور رکھنے والا ملک کا فرد بن جاتا ہے اور اسے ملک کی سیاست میں سرگرم حصہ لے سکتے ہیں لیکن ہماری حکومت سیاسی شعور کے معاملے میں نوجوانوں کے بارے میں سوچ کر اقدام کیا ہے لیکن

مرض ایڈس سے چھٹکارا یا نجات یا کم سے کم اس کے پھیلاؤ میں کمی لائی جاسکے ۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے ۔ یہ تشہیریں یہ ذرائع ابلاغ یہ ٹیلی ویژن ان سب سے ہٹکر ہمکو اگر ہائی اسکول اور کالج کے لیول پر مرض ایڈس سے ہونے والے نقصانات کے ساتھ سائنٹفک (Sex . Education) ہماری نوجوان پیڑی کو دیں تو ہی ہم اس موذی مرض سے چھٹکارا پاسکتے ہیں ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا معاشرہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا ہے تو ہمکو کیا کرنا چاہیئے ۔ میری ناقص رائے میں سب سے پہلے سماج میں اس سیکس ایجوکیشن کی اہمیت اور افادیت کے بارے میں لوگوں کو اجاگر کیا جائے اور پھر اس ایجوکیشن کے نہ ہونے کی وجہ سے مرض ایڈس سے لاحق خطرات سے اگاہ کیا جائے تو ہم بہ آسانی سماج سے اس بات کی اجازت حاصل کرلیں گے ۔ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ (Sex. Education) کا کورس کیا ہونا چاہیئے ۔ اس میں کن کن باتوں کی تعلیم دینا چاہیئے ۔ Sex کی اہمیت و افادیت اور اس کے بے جا استعمال سے ہونے والے نقصانات کو نوجوانوں کے سامنے کس طرح سے پیش کیا جانا چاہیئے ان سب باتوں کو ملحوظ رکھکر ایک بورڈ بنانا چاہیئے ۔ جس میں ممتاز تعلیم داں حضرات اور ممتاز ڈاکٹرس، دانشوران اور سیاستداں حضرات موجود ہوں اور سب سر جوڑ کر ایک بہترین کورس بنائیں اور اسے حکومت کی اجازت سے ہر اعلی ثانوی اور کالجوں میں رائج کیا جائے ۔ مجھے یقین ہے کہ ایسا کرنے سے ہم اس موذی مرض کو پھیلنے سے کسی حد تک روک سکتے ہیں ۔ میں اپنی کم مائیگی کا اعتراف کرتے ہوئے اتنا عرض کروں گا کہ میں نے جو کچھ بھی اس مضمون میں لکھا ہے وہ اس مرض ایڈس کے روک تھام کے لئے لکھا ہے ۔ اپنی نوجوان نسل کو اس مرض ایڈس سے بچانے کی غرض سے لکھا ہے ۔ اس ہندوستانی معاشرے کو دقیانوسی خیالات سے ایک اہم بیماری سے چھٹکارا پانے کے لئے تبدیلی لانے کے لئے لکھا ہے ۔ حالانکہ مجھے صحافت نے ہندوستان کا سب سے زیادہ تعلیم یافتہ شخص، سب سے زیادہ ڈگریاں یافتہ شخص قرار دیا ہے ۔ لیکن میں اپنے آپ کو اس لائق نہیں سمجھتا ۔ میں ایک ادنی طالب علم ہوں ۔ اپنے آپ کو ایک ادنی طالب علم ہی سمجھتا ہوں ۔

اور یہاں پر بھی میں نے اپنے طالب علمانہ خیالات کا اظہار کیا ہے ۔

اگر اس میں کوئی خامی رہ گئی ہو تو میں اس مضمون کے پڑھنے والوں سے رہنمائی چاہتا ہوں ۔

امید کہ آپ میری رہنمائی فرمائیں گے ۔

آبی آلودگی (Water Pollution)

سائنسی تحقیقات کے بموجب کرہ ارض پر حیات سب سے پہلے پانی ہی میں وجود میں آئی ۔ اس کرہ ارض کا تین چوتھائی حصہ پانی ہی کی شکل میں ہے جب کہ صرف ایک چوتھائی حصہ زمین کی شکل میں پانی جس کے بغیر کسی بھی حیات کا اس کرہ ارض پر قائم رہنا ناممکن ہے ۔ انسان خود اپنے جسم کا 70% حصہ پانی کی شکل میں رکھتا ہے پانی جو نہ صرف روز مرہ زندگی کے لئے ضروری ہے بلکہ زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے بھی بے حد ضروری ہے ۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ پانی کا 99% حصہ سمندر کی شکل یعنی کھارے پانی کی شکل میں موجود ہے جس کو انسان اپنی حیات کو برقرار رکھنے یعنی اپنی پیاس بجھانے کے لئے استعمال نہیں کر سکتا ۔ اس لئے یہ مقولہ مشہور ہے کہ "سمندر میں بھی رہکر پیاسے رہے " اس کا مطلب یہ کہ پانی تو ہے مگر پی نہیں سکتا کیوں کہ اس میں نمک کی مقدار ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے ۔ دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ صرف ایک فی صد حصہ یعنی (One 1%) پانی پینے کے لائق ہے جو ہمکو تالابوں جھیلوں ۔ دریاؤں کنوں اور کچھ زیر زمین ذخیروں سے دستیاب ہوتا ہے ۔ دنیا میں پانی کا ایک بہت بڑا حصہ (برف) کی شکل میں بھی موجود ہے اور کچھ پانی ہوا میں بخارات کی شکل میں بھی موجود رہتا ہے ۔ پانی جو آب حیات کے طور جانا جاتا ہے بہت ہی مقدار میں انسانی زندگی کے لئے کرہ ارض پر موجود ہے ۔ بے شک یہ نظام الٰہی ہے جو سمندر سے کھارے پانی کو اٹھا کر زمین کے مختلف حصوں پر برساتا ہے ۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ نمک سمندر میں ہی رہجاتا ہے اپنے وزن کی وجہ سے جبکہ پانی بخارات کی شکل میں نمک سے پاک ہوکر ہم تک پہونچتا ہے ۔ یہ پانی جو نمک سے پاک ہوتا ہے اس میٹھا پانی کہتے ہیں جو انسان اور جانوروں کے علاوہ درختوں اور زراعت کے لئے کافی اہمیت کا حامل ہے ۔ تیسری دلچسپ بات ہے کہ ہم اگر کہیں تفریح یا پھر روزگار کے لئے یا پھر کہیں ہجرت کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس مقام کی آب و ہوا یعنی وہاں کے پانی اور ہوا کے بارے میں تفصیلات معلوم کرتے ہیں اور یہ بھی معلوم کرتے ہیں کہ وہاں پانی کی کمی تو نہیں ہے کیونکہ انسان نے ساتھ دوسرا سامان تو لے جاسکتا ہے

مثلاً اگر اس کو معلوم ہوجائے کہ وہ جہاں جارہا ہے وہاں کا موسم سرد ہے تو وہ گرم کپڑے ساتھ لے جائے گا۔ لیکن آب و ہوا وہ ساتھ نہیں لے جاسکتا۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کو کہیں کی آب و ہوا بنتی ہے تو کسی کو نہیں بنتی۔ بحرحال آب و ہوا کی اہمیت اپنی جگہ مصدقہ ہے اب ہم آبی آلودگی کا جائزہ لیں گے آلودگی سے مراد پانی میں ان عناصر کا شامل ہونا ہے جن سے انسانی حیات اور صحت پر مضر اثر پڑے۔ یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ اس Scientific ترقی یافتہ دور میں ہم نہ صرف اپنے ماحول کو گندگی بخش رہے ہیں بلکہ آب و ہوا کو بھی گندہ کر رہے ہیں۔ میں ماحولیات کا ایک ادنی طالب رہچکا ہوں۔ میرے زیر نظر جتنے بھی ماحولیات پر کتب گزرے ہیں ان میں پانی کی آلودگی پر سخت تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔ میرا مشاہدہ اور تجربہ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے چنانچہ میں نے شہر حیدرآباد کی سب بڑی اور پہلی جھیل حسین ساگر پر ریسرچ کیا اور میرے Project کو درجہ اول کا پروجکٹ قرار دیکر 100 میں سے 60% نشانات دیئے گئے ابیڈکر یونیورسٹی کے پروفیسر تے جو حضرت حسین شاہ ولی رحمتہ جیسے انجینیر کے زیر نگرانی قطب شاہی دور میں تعمیر کی گئی تھی جو شہریان حیدرآباد، سکندرآباد وہ گولکنڈہ کے لئے پینے کے پانی تکملی کرتی تھی ہماری اپنی لاپرواہی اور بے اعتنائی کے سبب گندی اور آلودہ ہوگئی یہ جھیل 1931ء سے آلودگی کے سبب پینے کے اور ذراعت کے قابل نہیں رہی۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے واٹر پولیوشن بورڈ نے اپنی رپورٹ میں خاص طور پر یہ بتادیا کہ یہ جھیل اب نہ صرف پینے اور ذراعت کے قابل نہیں ہے بلکہ مختلف قسم کے بیماریوں کو پیدا کرنے والا مرکز بن گئی ہے۔ اس میں جڈی مٹلہ۔ صنعت نگر، پنجہ گٹہ، بیگم پیٹ اور اطراف و اکناف کے کارخانوں سے زہریلا مادہ روز بروز آکر گرتا ہے اس سے ہٹ کر محنتہ مدار کا سلم ایریا اور شہر حیدراباد کا یہ SEPTIC TANK بھی بن چکا ہے جہاں شہر حیدرآباد کے بیشتر علاقوں کا ڈرینیج کا پانی آکر اس میں شامل ہورہا ہے۔ اس سے ہٹ کر گنیش وسرجن کی وجہ سے بھی آلودگی ہورہی ہے گنیش کی قد آور مورتیاں جو زہریلے مادو سے تیار کی جاتی ہیں ہر سال اس میں ضم کی جاتی ہیں۔

شہر حیدرآباد کی دوسری جھیلیں مثلاً حسین ساگر کے علاوہ حمایت ساگر، عثمان ساگر، میر عالم تالاب بھی آلودگی کی زد میں آگئے پس جن سے آلودہ پانی شہر میں مختلف اقسام کی

بیماریاں پھیلنے کا سبب بن رہا ہے۔
اس شہر کی وہ ندی جو اس شہر کے بسنے کا سبب بنی تھی وہ بھی آلودہ ہو کر رہ گئی ہے بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ ایک گندے نالے میں تبدیل ہو گئی ہے تو غلط نہ ہوگا۔ جی ہاں میری مراد موسیٰ ندی سے ہی ہے اہلیان حیدرآباد اس کا بہاؤ دیکھتے رہتے ہیں جب ہم نیا پل، پرانا پل، سالار جنگ پل یا چادر گھاٹ پل، قدیم و جدید پر سے گزرتے ہیں تو ناک پر کپڑا رکھنا ضروری ہو جاتا ہے اس قدر آبی آلودگی جس سے تعفن پیدا ہوتا ہے کیا ہمارے اور ہماری صحت کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔ پانی جس میں دو (۲) حصہ ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن کا ہوتا ہے جس کے ساتھ ساتھ بیت ہی خفیف مقدار میں چند معدنیات شامل ہوتی ہیں جو انسانی صحت کے لئے مفید ہے اگر اس میں (Toxic Materials) یعنی زہریلے مادے جو صحت کے لئے مضر ہیں شامل ہو جائیں مثلاً

LEAD - CHROMIUM - CADMIUM - ARSENIC
HYDRO CARBON - RESIDUEL FREE
CHLORINE - MERCURY

اگر یہ عناصر پانی میں شامل ہوں تو پانی استعمال اور پینے کے لائق نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ اگر ڈرینیج کی گندگی بھی پانی میں شامل ہو جائے تو بہت سی بیماریاں مثلاً ہیضہ اور دوسری جان لیوا بیماریاں پھیلنے کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقینی طور پر پھیل سکتی ہیں اس لئے ہم کو چاہیئے کہ پانی کو ان عناصر سے پاک کر کر استعمال کریں پانی کو صاف کرنے کے اسی طریقے کو Purification of Water کہتے ہیں۔

The complete process of the Removal of impurities is called water purification.

یہ (5) طریقے سے کیا جاتا ہے۔

(1) SCREENING (2) SEDIMENTATION
(3) FILTRATION (4) DISINFECTION
(5) AIRIFCATION AND SOFTENING

بحر حال پانی ایک نعمت ہے اور صاف پانی کا ملنا اس سے بڑی نعمت ہے آیئے ہم عہد کریں کہ پانی کو آلودہ نہ کریں اور نہ دوسروں کو کرنے دیں۔

ایک وجوہات ہیں لیکن ان میں سب سے اہم اور کارکرد ذریعہ جو ہے وہ جنسی ملاپ اور میری مراد ہر جنسی ملاپ سے نہیں ہے بلکہ نادانگی میں کسی ایڈس کے مریض کے ساتھ جب بھی کوئی شخص جنسی روابط قائم کرتا ہے تو یہ بیماری بہ آسانی اس کو لگ جاتی ہے اور پھر اس ایک شخص کے ذریعہ معاشرے میں پھیلنے لگتی ہے۔ سب سے اہم اگر وجہ تلاش کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ زیادہ تر نوجوانوں میں آج کل کے مخرب لااخلاق۔ فلموں اور ٹی وی سیریلیوں کی وجہ سے انکا رجحان بے راہ روی کی طرف بڑھا ہے اور یہ فاحشہ عورتوں(Prostitutes) کے آغوش میں پہنچ گئے ہیں اور وہاں سے متاثر ہوکر اپنے آپ کو موت کی راہ پر اس مرض کے ذریعہ ڈال دیتے ہیں جنسی ملاپ کے علاوہ یہ مرض استعمال شدہ سوئیوں اور غیر صاف شدہ سرنجوں اور آپریشن کے وقت غیر صاف شدہ اوزاروں کی وجہ سے پھیلتا ہے۔ اس سے ہٹکر مرض اگر کسی ایڈس کے مریض کا خون ایک عام آدمی کو چڑھایا جائے تو بھی یہ بیماری پھیلنے لگتی ہے۔ اس سے ہٹکر ایڈس سے متاثرہ ماں کے ذریعہ بھی یہ نامولود بچے میں بھی آجاتا ہے۔ دواخانے کا کچرہ اور استعمال شدہ سرنجوں اور سوئیاں کچھ لوگ جو کچرا اٹھانے والے ہوتے ہیں اس کو چن کر بیچتے ہیں اور پھر وہ استعمال میں آنے لگتے ہیں اس کی وجہ سے بھی یہ مرض پھیلنے کا خطرہ بڑھتا جاتا ہے۔

اب جبکہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس پر قابو کیسے پایا جائے۔ آگ کو اگر بجھانا مشکل ہے تو آگ سے دور رہنا ہی عقلمندی ہے۔ آتش فشاں کے پھٹنے سے جو لاوا نکلتا ہے۔ اس کی تپش اور گرمی دور دور تک پھیلتی ہے۔ آتش فشاں پھٹتا ہوا لاوا نہ صرف اس جگہ سے بلکہ جہاں جہاں بھی اس کا لاوا بہتا ہے ہم کو دور رہنا چاہئے۔ تب ہی ہم اس کی زد میں آنے سے بچ سکتے ہیں تو پھر جب ہمکو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ ایڈس کیا ہے۔ ایڈس کن چیزوں سے ہوتا ہے اور ایڈس سے کس طرح سے بچا جاسکتا ہے۔ تو پھر دیر کس بات کی۔

چلئے آیئے۔ میرے ساتھ عہد کیجئے کہ ہم ایڈس جیسے موذی مرض کے بارے میں لوگوں کو واقف کرانا، پہلے اپنے گھر میں پھر اپنے دوست احباب میں پھر اپنے محلے میں، پھر اپنے شہر میں اور پھر سارے ملک اور دنیا میں اپنا اولین فرض سمجھیں گے اور ہمارے آنے والی نسلوں کو اس موذی مرض سے محفوظ رکھنے میں ایک نمایاں رول ادا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میری مخلوق کا وہ بندہ جو میری مخلوق کو ہر پریشانیوں اور بیماریوں سے نجات دلانے کی کوشش کریگا میری مخلوق کو علم کی روشنی سے معمور کریگا وہ میرا محبوب بندہ ہوگا۔"

خدمت خلق بھی خدا کی عبادت سے کم نہیں اللہ عالم و فاضل لوگوں کو بہت بلند اور باوقار جگہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ عالم وہ ہوتا ہے جو کسی بھی چیز کے بارے میں جانتا ہو اور اس بات کو موثر انداز میں انسانیت کی بھلائی اور بہبودگی کی خاطر خدا کی مخلوق تک پہنچاتا ہے۔ چلئے ہم بھی خدا کے محبوب بندے ہونے میں کیوں کوئی کسر چھوڑے پوری دیانت داری کے ساتھ جھجک و شرم کو اس بیماری کے معاملے میں بالا طاق رکھکر ڈنکے کی چوٹ پر اس بیماری کو ختم کرنے کے لئے لوگوں کو رجحان کو تبدیل کرنے کے لئے اور انسانیت اور سماج میں پھیلے ہوئے زہر کو ختم کر سکتے [illegible]

ایڈس کیا ہے اور اس سے بچنے کے تدابیر

ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق
ریسرچ اسکالر

آج کے اسپیس Space اور ٹکنالوجی کے دور میں انسان جہاں نئے نئے تخلیقات کر کر خود کو حیرت میں ڈال رہا ہے وہیں پر اتنا بے بس ہے کہ خود کو ایک معمولی سے جراثیم سے جس کی حیثیت اور اوقات ایک ذرے سے بھی کم ہے کیوں کہ ذرہ آنکھوں کو بہ آسانی نظر آسکتا ہے لیکن یہ اس سے بھی چھوٹا ہوتا ہے لڑنے سے مجبور اور اپنے ہتھیار بے بس ہو کر ڈال چکا ہے۔ اور خود کو موت کے گلے سے لگا رہا ہے۔ بات تعجب کی ہے اس لئے کہ بڑے بڑے توپوں اور مشین گنوں کو ایجاد کرنے والا چاند کی دھرتی پر بے نڈر و خوف کے قدم رکھنے والا مریخ کی طرف بڑھنے والا سورج سے آنکھیں لڑانے والا پلک جھپکتے ہی دنیا کا چکر کاٹنے والا وہ شخص آج ایک معمولی سے ایڈس کے وائرس سے لڑ نہیں پا رہا ہے۔ اس کی کیا وجوہات ہیں یہ ایڈس کیا بلا ہے کہ اس سے نہیں بچا جاسکتا ہے۔ ہم اس پر سرسری روشن ڈالیں گے۔

ایڈس سے مراد Acquired Immuno Deficiency Syndrome ہے اور H.I.V. Virus سے مراد Human Immuno Deficiency Virus کے ہوتے ہیں یہ بیماری ایک لاعلاج بیماری ہے۔ اس بیماری میں انسان کا دفاعی نظام مفلوج ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بیماریوں کا مقابلہ نہیں کر پاتا جب کوئی شخص اس بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو سب سے پہلے H.I.V. Virus اس کے جسم میں داخل ہو کر اس کے Immuno System پر غالب آجاتا ہے۔ دراصل ہمارے اندر جو دفاعی فوج ہوتی ہے وہ اپنے ہتھیار ڈال دیتی ہیں۔ کیوں کہ ان میں H.I.V. Virus سے لڑنے کی صلاحیت اور طاقت نہیں ہوتی۔ بس یہاں سے انسان کی موت کے سفر کا آغاز شروع ہو جاتا ہے۔ اس ترقی یافتہ دور میں بھی انسان ابھی تک اس معمولی سے جراثیم پر قابو نہیں پاسکا جس سے بچنے کی اور اپنے آپ کو بچانے کے تدابیر پر عمل کر کر ہی انسان زندگیوں کو بھیانک موت کے سفر سے روکا جاسکتا ہے۔ میں علم سائنس اور علم طب کا اور علم ماحولیات کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مفکر ایک ایک قانون داں ایک تاریخ داں اور ایک تعلیم داں ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ادیب اور ایک شاعر بھی ہوں ایک ادیب اور شاعر سوشل انجنیئر بھی ہوتا ہے وہ سماج کے رستے زخموں کو اپنی روح میں جیتا ہوا محسوس کرتا ہے اور اس کا قلم کراہتی ہوئی چیخوں کے اور سسکیوں کے ساتھ صفحہ قرطاس پر اپنے درد و الم کے نقوش چھوڑتے ہوئے اصلاحی معاشرہ کی طرف توجہ مبذول کرتا ہے۔ میں نے اس بیماری ایڈس کو میری شخصیت میں موجود تمام تر صلاحیتوں اور زاویوں سے دیکھکر ہی یہ مضمون لکھنے پر مجبور ہوا ہوں میرا مقصد اس مضمون کے قاریوں کو ایڈس سے بچانا ہے۔ ایڈس سے بچنے [illegible]

مشاہیر گولکنڈہ

خواجہ فریدالدین صادق
صدر ادارہ ادب صادق
ریسرچ اسکالر
پرنسپال سینٹ صادق ہائی اسکول

آج ہم بڑے فخر سے گولکنڈہ کے 500سال مکمل کرنے پر جشن منا رہے ہیں۔ یہ فخر یہ خوشی یہ مسرت ہمیں آخر کون سی بات پر ہو رہی ہے ہندوستان اور خاص طور سے شہر حیدرآباد نے کئی سلاطین کو دیکھا ہے ان کی عمارتوں کے کھنڈر بھی موجود ہیں بعض عمارتیں اب بھی اچھی حالت میں ہیں۔ لیکن قلعہ گولکنڈہ یا قطب شاہی دور کے 500سال مکمل ہونے پر ہم جن باتوں پر جشن منا رہے ہیں وہ شاید یہ ہوں۔

۱) قطب شاہی دور میں شہر حیدرآباد کا بسایا جانا۔

۲) قطب شاہی دور میں اردو کی بیپناہ ترقی و ترویج

۳) قطب شاہی دور میں پہلے صاحب دیوان شاعر کا پیدا ہونا۔

۴) قطب شاہی دور میں ہندو مسلم اتحاد کو فروغ ہونا

۵) قطب شاہی دور میں عظیم عمارتیں جیسے چارمنار۔ مکہ مسجد۔ قلعہ گولکنڈہ اور شہر حیدرآباد میں خوبصورت مسجدوں۔ خانقاہوں کے تعمیر کا ہونا۔

۶) قطب شاہی دور میں دنیا کا سب سے خوبصورت اور بڑا قبرستان کا تعمیر ہونا میری مراد گنبدان قطب سے ہے۔

۷) قطب شاہی دور میں عام رفاعی کاموں کا فروغ

۸) قطب شاہی دور میں صوفیاء اکرام۔ دانشور۔ شعراء و ادیب کی بے پناہ ہمت افزائی کا ہونا۔

۹) قطب شاہی دور میں ملک میں مکمل امن و امان کی سلامتی کا پایا جانا

۱۰) قطب شاہی دور میں حیدرآباد کے موجودہ کلچر ک بنیاد کا پڑنا وغیرہ۔

قطب شاہی دور یا "گولکنڈہ کا سنہری دور " 1495ء تا 1690ء قطب شاہی سلطنت کا بانی سلطان محمد قلی ہے جس نے بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد 1518ء میں اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اور قلعہ گولکنڈہ کو اپنی دارالحکومت بنایا۔ سلطان محمد قلی کا دور قطب شاہی حکومت کو وسعت دینے میں گذرا یہ آندھرا ورنگل کے کئی علاقوں کو اپنی حکومت کے تحت

کرلیا۔ بندرگاہ، مچھلی پٹنم "تک اس کے حکومت کو وسعت مل گئی تھی۔ قطب شاہی دور میں ۸ بادشاہ گذرے آخری بادشاہ ابوالحسن تاناشاہ تھا جس کو مفرول کرکر اورنگ زیب نے سلطنت مغلیہ کی وسعت میں اضافہ کرتے ہوئے دکن کو اس میں شامل کرلیا۔

آیئے اب ہم ان مشاہیر گولکنڈہ کا جائزہ لیں جو یکے بعد دیگرے حکومت کئے 1495ء تا 1690ء تحریک

۱) سلطان قلی ۲) جمشید قلی ۳) سبحان قلی
۴) ابراہیم قلی ۵) محمد قلی ۶) محمد قطب شاہ
۷) عبداللہ ۸) ابوالحسن تاناشاہ

سلطان قلی:۔ بانی قطب شاہی حکومت سلطان بہمنی میں گولکنڈہ کا صوبہ سلطنت بہمنی کا شیرازہ بکھرجانے کے بعد اپنی خود مختاری کا اعلان کرتے ہوئے قطب شاہی حکومت کی بنیاد رکھا جس میں ۸ بادشاہ تقریبا 200 سال تک شاندار حکومت کی۔ سلطان قلی کا دور زیادہ تر جنگ و جدال کی۔ اور حکومت کو مستحکم کرکر جغرافیائی وسعت دینے میں گزرا۔ اس نے قطب شاہی حکومت کو ورنگل سے لے کر مچھلی پٹنم بندرہ گاہ تک پھیلادیا۔ اس طرح کوشش اور معروفیت کے باوجود اس نے سماجی معاشرتی اور ادبی و فلاحی کاموں کو نظرانداز نہیں کیا اور وہ علم و فن کی ترقی سے غافل نہیں رہا۔ سلطان قلی ادیبوں اور شاعروں کی بہت ہمت افزائی کرتا تھا۔ اس نے ایک خاص عمل "آش خانہ" کے نام سے تعمیر کیا تھا۔ جہاں وہ شاعروں کے کلام کو سنتا تھا۔ مجموعی اعتبار سے اس کا دور اچھا دور تھا 1544ء میں اس کا قتل ہوگیا۔

۲) جمشید قلی:۔ جمشید قلی محمد قلی کا فرزند تھا۔ یہ تقریبا کئی سال حکومت کیا اس کے دور میں ادب کو کافی ترقی ملی۔ یہ خود بھی ایک شاعر تھا۔ فارسی زبان میں کلام لکھتا تھا اس کا تخلص جمشید تھا۔

۳) سبحان قلی:۔ سبحان قلی جمشید علی کا جانشین بنا۔ یہ قطب شاہی سلسلہ کا تیسرا بادشاہ تھا۔ اس کے بعد ابراہیم قلی تخت نشین ہوا۔

۴) ابراہیم قلی:۔ ابراہیم قلی قطب شاہی حکومت میں چوتھا بادشاہ تھا۔ اس کے دور میں قطب شاہی حکومت عروج پر تھی۔ قلعہ گولکنڈہ کی تعمیری اور ادبی کاموں کا آغاز اسکے دور میں ہوا۔ اس کا 20 سالہ دور کافی شاندار رہا۔ ابراہیم قلی صاحب علم تھا۔ اس لئے اس کے دور میں علم و ادب کی کافی ترقی ہوئی۔ اگر راقم یہ کہے کہ گولکنڈہ علم و ادب کا مرکز اسی کے دور میں بنا تو غلط نہ ہوگا۔ علماء فضلاء اور شعراء کی سرپرستی کیا کرتا تھا۔ اس کے دور میں تلنگی اور دکنی زبان کو کافی ترقی ہوئی۔ کیوں کہ ان زبانوں کو اس کی سرپرستی حاصل تھی۔

سلطان محمد قلی: بانی حیدرآباد:

ابراہیم قلی کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا سلطان محمد قلی تخت نشین ہوا۔ یہ دور سلطان قطب شاہی کا انتہائی عروج کا دور تھا۔ ملک میں ہر طرف خوشحالی تھی۔ جنگ و جدال کا دور ختم ہوکر ایک خوشگوار دور کا صلح کے دور کا امن و بھائی چارگی کے دور کا محبت اور خلوص کے دور کا رواداری اور وطن پروری کے دور کا قومی یکجہتی کے دور کا ہندو مسلم اتحاد کے سنہری دور کا دکنی تہذیب و کلچر کے دور کا مصوری۔ موسیقی۔ افسانہ نگاری و شاعری کے دور کا خوبصورت باغات و عمارتیں بہترین سڑکیں اور پرکشش اجتماعات کے دور کا بہترین نظم و نسق کے دور کا آغاز ہوچکا تھا (34) سالہ دور حکومت میں اس عظیم بادشاہ نے وہ کارنامے انجام دیئے جو رہتی دنیا تک یاد کئے جائیں گے۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ شہر حیدرآباد کی بنیاد رکھکر اس کو خوبصورت ترین بناکر اس کو اپنا پائے تخت بنانا ہے۔ اس سے ہٹ کر اس نے علم و ادب کی ترقی قومی یکجہتی۔ تعلیم اخلاق کردار سازی و شعر ادب میں جو نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں ان کو پوری طرح سے یہاں بیان کرنا ناممکن ہے ادارہ ادبیات اردو جو ڈاکٹر زور کا قائم کردہ ہے اس کے زیر اہتمام جشن منایا گیا ہے۔ جہاں شعراء ادباء اور دوسرے فنکار جمع ہوکر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ راقم الحروف بھی وہاں دو مشاعرے پڑھ چکا ہے۔ وہاں کی دلفریب فضاء میں اپنا کلام سناتے ہوئے عجیب مسرت ہوئی ہے۔ بحر حال جب تک حیدرآباد رہیگا اس شہر کا ہر فرد محمد قلی قطب شاہ کا احسان مند رہیگا۔ اجس نے نہ صرف یہ شہر بسایا بلکہ اسکے آباد رہنے کے لئے خدا سے دعا بھی مانگی تھی۔

اس بادشاہ نے حیدرآباد کو خوبصورت بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ چارمینار جو آج حیدرآباد کی پہچان بن گیا ہے سلطان محمد قلی نے ہی تعمیر کروایا تھا یہ پہلا صاحب دیوان شاعر بھی تھا۔ اس طرح ایک اچھا معمار اور ایک اچھا ادیب و شاعر کہلانے کا مستحق بنا۔ اسلئے ہم اس بادشاہ کے لئے دعا مغفرت کریں خدا اس کو جنت نصیب کرے اور اس کے درجوں میں بلندی عطا کرے۔ آمین۔

☆ سلطان محمد قلی کے بعد اس کا بھتیجا اور داماد سلطان محمد قطب تخت نشین ہوا اور 14 سال حکومت کی اس کا سب سے بڑا کارنامہ مکہ مسجد کی تاسیس ہے۔ اردو ادب پر بھی اس کا بڑا احسان ہے کیوں یہ خود ایک اچھا شاعر تھا۔ شاعروں کی ہمت افزائی کیا کرتا تھا اور اس نے خود اپنے علم و فن کا ایک بڑا سرمایا چھوڑا ہے۔ اس کے زمانے کی کئی دکنی شعرا میں جو مشہور تھے وہ حسب ذیل ہیں۔

وجہی۔ غواصی۔ قطبی۔ ابن نشاطی۔ جنیدی وغیرہ

سلطان محمد کے ۱۶ سالہ دور کے اختتام کے بعد اس کا کم سن بیٹا عبداللہ تخت نشین ہوا۔ محترمہ حیات بخشی بیگم نے حکومت باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھی۔ علم و ادب کو کافی ترقی ہوئی اور کئی مدرسے قائم کیے گئے جہاں سینکڑوں مدرسے کے کھنڈر موجود ہیں جب عبداللہ بن بلوغ کو پہنچا تو حکومت خود سنبھال لیا۔ رنگین مزاج بادشاہ تھا۔ ملک میں امن و امان برقرار تھا۔ شعراء اور ادباء کی ہمت افزائی اس دور میں کافی ہوئی صوفی اکرام بھی کافی احترام اور عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ملا جمال الدین نے کتاب الصباح کا اور ملا امین طبغفور نے "عیون" کا فارسی میں ترجمہ کیا (دکن میں اردو نصیر الدین ہاشمی) برہان قاطمہ فارسی کی مشہور لغات اسی کے عہد میں مرتب ہوئی۔

اس زمانے میں قطب شاہی حکومت مغلوں کی باج گزار سلطان بن گئی تھی۔

۱۰۸۳ء میں سلطان عبداللہ کا انتقال ہوا۔ اور اس کا داماد ابوالحسن تاناشاہ 14 سال حکومت کیا۔ یہ وہ بد نصیب بادشاہ تھا۔ جس کو دکن کی سرزمین میں دفن ہونا نصیب نہیں ہوا۔ آج بھی اس کا نامکمل شدہ نصف گنبد موجود ہے اور اپنی بد قسمتی کا حال سنارہا ہے۔ بہر حال ابوالحسن تاناشاہ کا زیادہ تر وقت ملک کی بقاء اور سلطنت کی بقاء کے لئے لڑتے لڑتے گذرا۔ پھر بھی اس کے دور میں علم و ادب کی ترقی نہیں رکی۔ اج ہم کو اس بات پر فخر ہے کہ اس وقت کی حکومت کے نامساعد حالات میں بھی اس وقت کے شعراء نے اردو ادب کی خدمت کی اور کئی مثنویاں لکھیں جن میں قابل ذکر شعراء حسب ذیل ہیں۔ محب۔ کریاء۔ اولیاء۔ غلام علی۔ فائز۔ لطیب۔ افضل وغیرہ۔

قطب شاہی دور کے تقریباً دو سو سال کے عرصے میں حیدرآباد دکن ہر لحاظ سے علم و ادب ہی نہیں بلکہ ثقافتی۔ تہذیبی۔ معاشرتی۔ سیاسی۔ سماجی۔ امور میں ترقی کرتا رہا۔ اس دور میں کبھی فرقہ وارانہ فسادات کا کہیں بھی کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ہندو مسلم اتحاد کا یہ بہترین دور تھا۔ بادشاہ وقت ہمیشہ ہر دو طبقوں پر سے اپنی توجہ کو ہٹنے نہیں دیتے تھے۔ اس زمانے کی چند مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں۔

فیروز کا توصیف نامہ

وجہی کی مثنوی قطب مشتری
جنیدی کی مثنوی ماہ پیکر
ابن نشاطی کی پھول بن
شاہ راجو کے سہاگن نامہ۔ چکی نامہ
سوک کا جنگ نامہ۔ وغیرہ
اب اس مقالے کو یہیں پر ختم کیا جاتا ہے۔

اردو صحافت کی تاریخ

اور حیدرآباد کے روزنامے و رسالہ

دکنی میں اردو زبان کی ترقی میں جہاں شاہوں، امیروں، ادیبوں اور شاعروں نے اہم رول ادا کیا ہے وہیں پر "صحافت" اردو اخبارات اور رسالوں نے بھی غیر معمولی و اہم رول ادا کیا ہے۔ زبان کی ترقی اور ادب کی ترقی میں ان کا بڑا حصہ رہا ہے۔ حیدرآباد علمی ادبی اور فنی رسالوں کا آغاز ۱۸۵۵ء میں اور ہندوستان میں ۱۷۸۰ء میں ہو چکا تھا۔ یہاں پر ۱۷۸۰ء سے لیکر تاحال اردو اخبارات، رسائل پر مختصراً روشنی ڈالی جائے گی تاکہ یہ مضمون طوالت نہ اختیار کر جائے۔ ہندوستان میں صحافت کا آغاز " East India Co. کے دور میں ابتداء انگریزی اخبار سے ہوا۔

یہاں اردو اخبار "اخبار جہاں نما" ۱۸۲۲ء میں کلکتہ میں منظر عام پر آیا۔ ۱۹۳۷ء میں مولانا محمد باقر نے دہلی سے "دہلی اردو اخبار" جاری کیا۔ اس طرح ہندوستان میں اردو اخبارات کی ابتداء ہوئی۔

حیدرآباد میں اردو صحافت کا آغاز ایک طبی رسالے سے ہوا ۱۸۵۵ء میں جس کا ایڈیٹر ایک انگریز تھا قاسم علی سجن لال نے جو پروفیسر تاریخ جامعہ عثمانیہ تھے۔ Visit us modern Indian History میں "آفتاب دکن" کو حیدرآباد کا پہلا روزنامہ قرار دیا جو ۱۸۶۰ء میں قاضی محمد قطب کی ادارت میں جاری ہوا۔

بعض محققین نے "آصف الاخبار" کو حیدرآباد کا پہلا اخبار قرار دیا جو نارائن راؤ کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔

بعض نے پہلا روزنامہ "ہزار داستان" کو قرار دیا جو ۱۸۸۳ء میں سلطان عاقل کی ادارت میں جاری ہوا۔

۱۹۵۵ء تک مختلف اخبارات اور رسالے شائع ہوتے رہے ہم ایک بھرپور جائزہ ان تمام اخبارات اور رسالات کا لینگے جو نہ صرف ۱۹۵۵ء تک بلکہ آج کے اخبارات اور اہم رسائل پر مبنی ہوگا۔

"اخبار کے معنی فیروز اللغات کے مطابق خبر کی جمع کے ہوتے ہیں یا پھر وہ کاغذ جس پر خبریں شائع ہوتی ہیں" صحافت کے معنی اخبار نویسی کے ہوتے ہیں صحافت آج کے دور

میں ایک اہم رول ادا کرتی ہے سماجی، سیاسی، ثقافتی، ادبی، معاشرتی، ترقی کی بنیاد اچھی اور صحت مند صحافت پر مبنی ہوتی ہے۔ دراصل یہ ذرائع ابلاغ Mass Media Communication کی ایک کڑی ہوتی ہے۔

عموماً ذرائع ابلاغ حسب ذیل طریقوں پر منحصر ہوتا ہے۔

۱۔ Electronic Media ۔الکٹرانک میڈیا

۲۔ Print Media پرنٹ میڈیا

۳۔ Video & Audio Media ۔آڈیو اور ویڈیو

۴۔Films۔ فلمیں وغیرہ

صفحات پر غور کرنے سے پہلے ہمکو ان تمام امور پر غور کرنا چاہئے۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔ہم ہر ایک نقطہ پر سرسری جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔

Electronic Media ۔یہ Mass Media کی بہت اہم شاخ ہے جس میں کسی بھی بات کو عوام تک پہونچانے بڑی سہولت ہوتی ہے۔اس کے تحت حسب ذیل چیزیں آتی ہیں۔ جن کے ذریعے عوام تک مواد پہونچایا جاتا ہے اور خبریں بھی بہت ہی موثر انداز میں عوام تک پہنچائی جاتی ہیں۔

Print Media ۔یہ ذرائع ابلاغ کا ایک اور موثر ذریعہ ہے جس میں اخبارات، رسالے ،میگزین ،ناولس وغیرہ آتے ہیں۔

ہمارا مضمون ذرائع ابلاغ کے اس Media کے گروہی گھومتا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں صحافت کا آغاز بہت پہلے ہوچکا تھا۔ لیکن جہاں تک محققین نے اس پر کام کیا ہے اس کے مطابق ہمیں ۱۷۸۰ء سے ہی مواد ملتا ہے بہر حال صحافت معاشرہ میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔اردو صحافت خاص طور سے اس بات کو اہمیت دیتی آتی ہے کہ سماج میں ایک منظم طریقہ سے اتحاد و اتفاق ملک میں برقرار رہے اور ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو۔

اخبارات و رسالے

ہندوستان میں اخباروں کا آغاز جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ انگریزی اخباروں سے ہوا تھا۔

حیدرآباد میں بھی اخبار کا آغاز انگریزی اخبار "دکن ٹائمز" سے ہوا جو ۱۸۶۴ء میں شائع ہوا تھا اس کے بعد چند اور انگریزی اخبارات بھی شائع ہوئے۔

اردو میں ہفتہ وار روزناموں کی اشاعت

حیدرآباد میں ۱۸۵۹ء میں حکومت آصفیہ کے میڈیکل کالج کے پرنسپل کی ادارت میں ایک طبی رسالہ شائع ہوتا تھا جس میں مختلف امراض اور مریضوں و دواؤں کے بارے میں تفصیلات درج ہوا کرتی تھیں۔ یہ سہ ماہی رسالہ تھا۔

رسالہ بحرن الفوائد

مولوی سید حسین بلگرامی (نواب عماد الملک) نے جاری کیا ۱۳۹۱ء میں جس میں علمی، اخلاقی، مضامین کے علاوہ تاریخ فلسفہ، سائنس، اخلاقیات پر دلچسپ مضامین شامل رہتے تھے۔ سرکاری (دارالطبع) میں طبع ہوا کرتا تھا۔

ہفتہ وار اخبارات

حیدرآباد کے پہلے ہفتہ وار اخبار کے ایڈیٹر نارائن راؤ صاحب تھے۔ اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اردو کی ترقی اور ترویج میں غیر مسلم بھائیوں نے شروع سے ہی عملی طور پر کام کیا ہے اخبار کا نام تھا "آصف الاخبار"

آصف الاخبار

جو ۱۸۷۸ء میں اجراء ہوا۔ اس کے علاوہ اس دور کے چند اہم ہفتہ وار اخبار درج ذیل میں بتائے گئے ہیں۔

	نام اخبار	ایڈیٹر	سنہ اجراء
۱۔	شفیق	سید حسن رضوی	۱۸۸۰ء

۲۔ ہزار داستان — محمد سلطان عاقل — ۱۸۸۳ء

۳۔ شوکت الاسلام — حاجی فرمان — ۱۸۸۷ء

۴۔ معلم شفیق — تپ حسین — ۱۸۸۴ء

اس دور کی خاص بات یہ تھی کہ دکنی زبان کی جگہ دہلی اور لکھنو کا اسلوب بیان غالب آنے لگا۔ تشبیہوں اور استعاروں سے کام لیا جانے لگا۔ الفاظ کے استعمال میں بھی فرق آنے لگا۔ فورٹ ولیم کالج میں انگریزی زبان سے فنون کی کتابوں کا ترجمہ ہونے لگا۔ سائنس کی کتابوں کا ترجمہ بھی ہونے لگا جو کہ نہایت کامیاب کوشش تھی۔

اس دور میں علمی ادبی رسالوں ہفتہ وار اخباروں اور روزناموں کی اجرائی اردو زبان کی ترقی میں غیر معمولی تغیر آیا اور عام فہم اور سلیس زبان کی وجہ سے یہ کام اور بھی آسان ہوگیا قاری تک عام فہم زبان میں افسانے خاکے معمولی معلوماتی مضامین سے لیکر مشکل مضامین اور روز بروز کی تازہ خبریں دینی معلومات و کھیل کود کی معلومات سیاسی پس منظر ملک کا سامنے آنے لگا لوگ اخبار پڑھنے کے عادی ہونے لگے۔ اخبارات سے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اردو کا سلطنت آصفیہ کی سرکاری زبان قرار پانا

اردو کا سرکاری زبان قرار دیکر سلطنت آصفیہ نے ایک اہم اور نمایاں کارنامہ انجام دیا تھا جس کو اہل اردو کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔ یہ ایک بہت بڑا احسان اردو زبان پر کیا گیا۔

ایک سرکاری گشتی کے ذریعہ

پھر کیا تھا اردو کے ترقی کے وہ نہ صرف ریاست حیدرآباد میں ملک میں کسی بے قابو آندھی کی طرح پھیل گئی۔ جب کسی زبان کو سرکاری پشت پناہی ملتی ہے تو پھر وہ تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کرنے لگتی ہے۔ اردو اب دفاتر کاروبار اور گھربار کی عام زبان ہوگئی اردو کی اہمیت جیسے جیسے بڑھتی گئی ویسے ویسے اخبارات اور رسائل ماہناموں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ حکومت آصفیہ نے ہندوستان کے اردو زبان کے مشہور اور مصنفین کو اپنی سلطنت میں طلب کرکر ان کو منہ مانگی رقم ماہوار منصبہ عطا کی جس کی وجہ سے اردو کی

ترقی و تصنیف و تالیف اور ترجمہ وغیرہ میں بہت مدد ملی۔ قابل ذکر شعراء میں حضرت داغ دہلوی ہیں جو دربار رام پور کو خیرباد کہکر ہیں کے شاہ کی دعوت پر یہیں آکر یہاں کے متوطن ہوجاتے ہیں۔ آپ کو اعلی حضرت عفران مکان آصف سادس نواب میر محبوب علی خان کی استادی کی عزت حاصل ہوئی۔ بحر حال اس طرح اردو کی ترقی میں شاہوں، ادیبوں، شاعروں کے ساتھ ساتھ اخباروں نے بھی اہم رول ادا کیا۔

آیئے اب ہم اس دور سے اور آگے بڑھتے ہوئے ان اخباروں اور رسائل و(ماہواری و ہفتہ واری) پر ایک تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھیں گے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ کسی بھی زبان کی ترقی میں جہاں اخبارات و رسائل ایک اہم رول ادا کرتے ہیں۔ وہیں پر ان کی اجرائی کے لئے مطابق (PrintingPress) کا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ ۱۲۵۰ء میں پہلا مطبع قائم ہوا۔ اس کے بعد شمس الامراء نے اپنا مطبع قائم کیا۔ پھر رفتہ رفتہ حیدرآباد میں مطبعوں کی تعداد زیادہ ہوتی گئی۔ برقی پریس بھی قائم ہونے لگے۔

نستعلیق ٹائپ

انجمن ترقی اردو اور سرکاری مالی کے دارالطبع میں ٹائپ رائٹر Type Writer بھی تیار کیا گیا۔ سرکاری عالی کا تیار کردہ ٹائپ پسند کیا گیا اور اپنی ٹکنیکی خوبیوں کی وجہ سے روزمرہ کے استعمال میں کافی مفید ثابت ہوا۔ اسی دور میں " اردو کے کرنسی نوٹ بھی جاری ہوگئے اس طرح اردو کا یکا کاغذ پر بھی چلنے لگا۔ یہ اردو کی ترقی کی سنہرا دور تھا جس میں اخبارات اور رسالوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ویسے تو اس دور میں کافی اخبارات اور رسائل اجراء ہونے لگے تھے جو سب کے سب اردو زبان کی کسی نہ کسی طرح خدمت میں لگے ہوئے تھے سب کا ذکر کرنا یہاں ممکن ہے۔

اس لئے صرف چند مشہور اور اہم اخبارات اور رسائل کا ذکر کیا جائے گا تاکہ مضمون طوالت نہ اختیار کرجائے۔

روزنامے

اخبار	ایڈیٹر	تبصرہ
مشیر دکن	کشن راؤ	سب سے قدیم اخبار ۱۸۹۹ء میں اشاعت ہوئی۔

رہبر دکن	سید احمد محی الدین	مقبول عام اخبار تھا	
صبح دکن	احمد عارف		
پیام	قاضی عبدالغفار		
نظام گزٹ	حبیب اللہ وقار احمد		
سلطنت	سید احمد اللہ قادری		
حمایت دکن	پہلے ہفتے وار تھا پھر روزانہ ہوگیا		
میزیں	غلام احمد		
محب وطن	لچھما ریڈی		
تنظیم۔ علی اشرف	۱۹۴۶ء		
وقت	عبدالرحمن رئیس	۱۹۴۷ء	
پیسہ اخبار	سید احمد اللہ قادری		
امروز	شعیب اللہ خان		
خورشید			
عوام			

حرای کی وجہ سے کافی مشہور ہوا

الموسی	طلباء سٹی کالج	۱۹۳۳ء	طلباء یونیورسٹی کالج کے مضامین شائع ہوتے تھے
جامعہ عثمانیہ کا مجلہ	طلبہ سائنس	۱۹۳۷ء	بلند پایہ ار معیاری مضامین
سب رس	محی الدین زور	۱۹۳۸ء	ادارہ ادبیات کا معیاری رسالہ جو آج تک بھی شائع ہورہا ہے
سب رس اطفال	سعدالدین	۱۹۳۸ء	بچوں کا رسالہ

ان کے علاوہ اور بھی ہفتہ وار ماہواری رسائل شائع ہوتے رہے ہیں۔

ہفتہ وار رسالے

چند اہل ذکر ہفتہ وار رسائل کا یہاں ذکر کیا جائے گا۔

اخبار	نوعیت	ایڈیٹر	سنہ اشاعت	تبصرہ

مستقبل	ہفتہ وار	عظیم الدین	۵۴۹۱ء
ترجمان		علی اشرف	۱۹۴۶ء
تاج		سید حسین	۱۹۴۶ء
ارباب		محمد عثمان و حسینی شاہد	
مبصر		محمد صفدر	
یاد		کرنل خواجہ معین الدین	
صحت عامہ	پندرہ روزہ	حکیم لئیس احمد	
تاجر		عبدالقدوس ہاشمی	۱۹۴۷ء
اقتدار		علی اشرف	
پیام امن		جانکی پرشاد	
عظیم تر حیدرآباد		عزیز احمد	
آزاد حیدرآباد	ہفتہ وار	ٹھاکر امراؤ سنگھ	۱۹۴۷ء
انتخاب		شیخ ابوالقاسم	
انصاف		سید احمد اللہ قادری	
اتحاد		سلطان بن عمر	
انقلاب		مرتضی	
جناح		سید اطہر حسین	
مجلس		سید نورالحق	
مدرس		احمد اللہ	
تعمیر دکن		محمد عبدالقادر	
دکن گزٹ			
جمہور		سید ابراہیم وحید	

تو یہ اخبارات ۱۹۴۷ء تک جاری ہوتے رہے۔ ان میں سے بعض بعد میں بھی جاری رہے اور کچھ بند ہوگئے اسی اثناء میں پولیس ایکشن ہوا۔ تو آییۓ اب اردو صحافت تاریخ کو ہم پولیس ایکشن یعنی ۱۹۴۸ء کے بعد سے جائزہ لیتے ہیں۔

تاریخ اردو صحافت پولیس ایکشن کے بعد

چند اہم اخبارات کا تذکرہ پولیس ایکشن کے بعد یعنی ۱۹۴۸ء کے بعد۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ۱۹۴۸ء میں پولیس ایکشن ہوا اور نظام کی شاہی آصف جاہی حکومت اپنے اختتام کو پہونچی اور جمہوری ہندوستان میں حیدرآباد ضم ہوگیا۔ یہیں سے اردو کے زوال کا دور بھی شروع ہوتا ہے۔ پھر بھی چند محب اردو اصحاب جن میں دانشوران، صحافی، ادیب و شاعر حضرات کی انتھک کوششوں کی وجہ سے آج بھی باوجود مخالف حالات کے حیدرآباد اردو کے علم کو بلند کرر کھا ہے۔ جس کی مثال اس بات بھی سے دی جاسکتی ہے کے ملک کی پہلی اردو یونیورسٹی کا قیام حیدرآباد میں ہوچکا ہے۔ اردو کی ترقی و ترویج میں جہاں ملک کے نامور صحافی محترم جناب سید لطیف الدین صاحب محترم جناب عابد علی خان صاحب (سیاست) اور "منصف" کے ایڈیٹر جناب محمد انصاری صاحب نے سرگرم حصہ لیا ہے آیئے ہم چند روزناموں کا ذکر کرتے ہوئے اس تحقیقی مقالے کو اختتام تک پہنچاتے ہیں۔

مشیر دکن

یہ حیدرآباد کا سب سے قدیم روزنامہ ہے جو ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا جس کے ایڈیٹر محترم کشن راؤ صاحب اور پھر ان کے فرزند داس دیو رائے تھے یہ ایک معیاری اخبار تھا جو سلطنت آصفیہ کے دور میں سب سے قدیم اور سب سے زیادہ مقبول عام اخبار تھا ایک غیر مسلم بھائی کی اردو خدمت اور اس سے محبت اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا کاش آج اس بات پر غور کرکے سبق لیں تو بہتر رہے گا۔

رہنمائے دکن

یہ اخبار حکومت آصفیہ کے دور میں شائع ہوا یہ رہبر دکن کے قائم مقام کی سید احمد محی الدین مرحوم کی ادارت میں ۱۹۲۰ء میں جاری ہوا پولیس ایکشن کے بعد "رہبر دکن" پر پابندی لگادی گئی۔ جس کی وجہ سے بعد میں رہنمائے دکن کے نام سے اخبار جاری ہوا۔
۱۹۲۰ء سے آج تک جن ایڈیٹران صاحب نے اس کی خدمت کی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جناب سید احمد محی الدین ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۲ء تک

۲۔ جناب حامد محی الدین ۱۹۴۲ء تک

۳۔ جناب سید محمود وحید الدین ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۸ء تک

۴۔ جناب منظور حسین ۱۹۴۹ء سے ۱۹۶۵ء تک
۔۔۔۔۔۔۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۶ء تک

۵۔ جناب لطیف الدین قادری ۱۹۷۶ء ۱۹۸۴ء تک

۶۔ جناب سید وقار الدین قادری ۱۹۸۴ء سے تاحال

رہنمائے دکن کا اپنا ذاتی پریس ہے۔ یہ ایک معیاری اخبار ہے۔ اس میں آدبی، ثقافتی، تعلیمی، تہذیبی، سیاسی مضامین بہت ہی اچھے پیمانے پر جاری ہوتے ہیں عوام میں مقبول ہے۔ بین الاقوامی حیثیت کا مالک ہے ہر دو شنبہ کو خصوصی شمارہ نکلتا ہے ادیبوں شاعروں اور ادبی انجمنوں کی بھرپور مدد و تعاون کرتا ہے۔ بحر حال اردو ادب کی ترقی میں بلا شک و شبہ بنیادی رول ادا کر رہا ہے۔ خدا اس اخبار کو اور ترقی دے۔

روزنامہ سیاست

روزنامہ سیاست ۱۵ اگسٹ ۱۹۴۹ء میں جاری ہوا اخبار سیاست کے بانی مرحوم میر عابد علی خاں صاحب ہیں جن کی ادارت میں یہ اخبار حیدرآباد کے قائم ہونے کے بعد جاری ہوا۔ اس کے جائنٹ ایڈیٹر محبوب حسین جگر کی کوششوں اور کاوشوں کے نتیجے میں آج اخبار "سیاست" اپنا نمایاں مقام بین الاقوامی سطح بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ حیدرآباد کا سب سے زیادہ عام اخبار ہے۔ اس کی اشاعت یومیہ ۵۰۰۰۰ پچاس ہزار سے زیادہ تجاویز کی گئی ہے۔ ۱۲ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے پہلے صفحہ پر ملکی اور غیر ملکی خبریں شائع ہوتی ہیں تو آخری صفحہ پر ریاستی خبریں شائع ہوتی ہیں بیچ کے صفحوں پر قابل ذکر اضلاع کی خبریں فکر و نظر، فکر و حیال، ہمارا ڈاک اور اداریہ قابل ذکر ہیں موجودہ ایڈیٹر میر زاہد علی خان صاحب بھی اپنے والد کی طرح بہت ہی محنتی اور کامیاب صحافی ثابت ہورہے ہیں۔ اخبار کے اسٹاف میں نامور شعراء ادیب دانشوران صاحبین موجود ہیں۔ اخبار سیاسی، سماجی، معاشی، تعلیمی، ادبی اور معاشرتی پہلوؤں پر بے لوث اور قابل ستائش تنقیدیں بھی کرتا ہے تو بعض امور کو صراحتا بھی ہے۔ اس لئے یہ اخبار دن بدن ترقی کرکر بین الاقوامی شہرت حاصل کرچکا ہے۔ "سیاست حیدرآباد کے تقریبا ساٹھ فیصد مسلم گھرانوں کے علاوہ غیر مسلم گھرانوں میں بھی پڑھا جاتا ہے۔ میری نیک خواہشات "سیاست" کے مالکین و اسٹاف کے ساتھ ہیں۔ حدا اس اخبار کو اور ترقی دے۔

روزنامہ منصف

روزنامہ منصف ۳ مارچ ۱۹۷۷ء کو محمود انصاری کی ادارت میں شائع ہوا روزنامہ منصف

بھی حیدر آباد کے روزناموں میں ایک مقبول عام روزنامہ ہے جو کبھی ۶ صفحات پر تو کبھی ۸ صفحات پر شائع ہوتا ہے ۔ اس کے بانی جناب محمود انصاری صاحب کی ادارت میں شائع ہورہا ہے ۔ یہ ایک بے باک ترجمان کی حیثیت سے کافی مشہور ہے ۔ اس میں بھی ادارہ کی جانب سے تنقید تبصرہ شائع ہوتے رہے ہیں ۔ ادیبوں اور شاعروں کا پسندیدہ اخبار ہے ۔ کیوں کہ یہ ادبی انجمنوں ادیبوں اور شاعروں کی بہت ہمت افزائی کرتا ہے ۔ ادبی سیاسی ۔ سماجی معاشی ۔ ثقافتی معلوماتی بیانات شائع کر کر اخبار دن بدن ترقی کررہا ہے روزنامہ مصنف آج ان تین بڑے اخباروں کے ساتھ شمار کیا جاتا ہے جنکے نام حسب ذیل ہیں ۔

رہنمائے دکن ، سیاست ، منصف اس طرح یہ اخبار اپنے مستعد اسٹاف اور کافی پڑھے لکھے اسٹاف کی اعانت سے دن بدن ترقی کررہا ہے ۔ ہماری نیک خواہشات بھی اس اخبار سے وابستہ ہے ان کے علاوہ حیدر آباد کے دوسرے روزناموں میں سرفہرست جو اخبارات آتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں ۔

ہمارا اعوام ، ملاپ ، انگارے ، ہمارا قدم ، امر بھارت وغیرہ

☆ حال ہی میں منصف اخبار امریکہ میں مقیم مشہور تاجر جناب خان لطیف خان جن کا وطن حیدر آباد ہے منصف اخبار کو خرید کر اس میں جان ڈال دی ہے اب یہ اخبار ان کی ادارت میں شائع ہورہا ہے ۔ یہ اخبار 12 تا 16 صفحوں پر بہت اعلی معیار کے ساتھ رنگین تصاویروں کے ساتھ شائع ہوکر حیدر آباد اور ساری دنیا کے قارئین کا دل جیت لیا ہے ۔

تو یہ تھا ایک معلوماتی مقالہ جس میں حیدر آباد دکن کے اردو صفحات کی تاریخ کے علاوہ روزناموں ، رسالوں ، اخباروں سے ادبی شخصیتوں وغیرہ کا مختصرا ذکر کیا گیا ہے ۔ حسب ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ۔

کتابیات References Books

۱ ۔ دکن میں اردو ۔ جناب نصیر الدین ھاشمی

۲ ۔ دکنی ادب کی تاریخ ۔ ڈاکٹر محی الدین قادری مور

۳ ۔ فیروز اللغات (جدید اردو) الحاج مولوی فیروز الدین

۴ ۔ حیدر آباد کی اردو صحافت ۔ طیب انصاری

۵ ۔ مقالہ ممتاز مہدی (یم فل)

۶ ۔ Book on non formal Education

قانون اور عوامی بھلائی

خواجہ فرید الدین صادق

ریسرچ اسکالر L.L.B (Osm.), L.L.M. (Osm.)

قانون اور عوامی بھلائی جیسے اہم عنوان پر بات کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم قانون کے معنی جان لیں اور اس کی تاریخ سے بھی واقف ہوجائیں۔ قانون کے معنی اگر ہم فیروز اللغت میں دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ قانون کے معنی ایک آئین ضابطہ قاعدہ کے علاوہ ایک قسم کے باجے اور ڈھونگ کے بھی ہوتے ہیں۔ لفظ ڈھونگ پر توجہ چاہوں گا آج کل کے قانونی حالات کے پیش نظر قانون کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کے ہماری تہذیب۔ قانون جس کو ہم انگریزی میں Law کہتے ہیں اس کے بارے میں قانونی مفکروں نے کہا ہے کہ قانون کو اگر صحیح طور پر سمجھانا ہے تو اس کی ایک شاخ Juris Prudence کا مطالعہ ضروری ہے جسکے معنی پس قانون کے بارے میں معلومات۔ قانون کی تعلیم ۔۔ اس نظریہ کے حامی ممتاز قانونی مفکران جناب Salmond۔ Hobbs۔Austin۔Bentham ہیں جنکا نظریہ Juris Prudence کے بارے میں یہ ہے۔

1. Jurisprudence is a science of civil law.
it is an examination of the relation between civil law and other forms of law
2. Jurisprudence is the mother of law.

Jurisprudence یعنی قانون کو جانچنے سمجھنے اور اس کا اطلاق کرنے میں مدد حاصل کرنے کا نام Science of Jurisprudence ہے۔

یہ ایک مفکر کا خیال ہے جن میں سرفہرست Salmond کا نام آتا ہے کہ قانون بنایا نہیں گیا ہے بلکہ قانون خود بن گیا ہے یا پھر ہم چند باتوں کو جو پہلے سے مروج تھے قانون کا جامہ پوش ہیں Sources of law یعنی قانون کے سب سے اہم ذرائع حسب ذیل

ہیں۔ Coustom.1 .legislation.2 .President.3

کسٹم یعنی ہمارے آباء و اجداد سے جو ورثہ میں چھوڑ گئے ہیں اس پر ہم عمل کرتے ہیں اور اس کا قانون بنا کر اپنے آپ پر نافذ کر سکتے ہیں دوسرا Legislation یعنی جو قانون عوامی نمائندے یا کوئی قانونی مشنری جس کو اختیار دیا گیا ہے بناتے ہیں تو اس کو ہم لیجسٹری لاء کہتے ہیں۔ اور تیسرا President یعنی جو ماضی میں عدالتوں میں فیصلے ہو چکے ہیں اس پر بھی قانون بنتے ہیں جس کو ہم President کہتے ہیں۔ بہر حال تمام قوانین کے نفاذ کا مطلب " عوامی فلاح و بہبود کو بہتر سے بہتر بنانا ہوتا ہے۔ اگر ملک میں قانون نہ ہوتا تو ہم آج اس طرح آزادی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتے اور نہ ہی خوشحال زندگی گزار سکتے ہیں۔ ہمارے جان و مال کی حفاظت میں قانون ہی اہم کردار ادا کرتا ہے اسی بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ عدل جہانگیر جس طرح مشہور ہوا آج تک لوگ اس پر رشک کرتے ہیں ہمارے ملک میں انگریزوں نے قانون کو صحیح شکل دی ان کے بتائے ہوئے قانون کو آج تک بھی رد نہیں کیا کیوں کہ اس میں انسانی فلاح و بہبود کے اہم باتیں موجود ہیں جن کی ہمارے معاشرے میں سخت ضرورت ہے ہمارے ملک کا ائین 26/ جنوری 1950ء کو وجود میں آیا جس کی بنیاد پر ہی ہمارے سارے ملک کے قوانین بنتے ہیں اس کے پری ایمبلم میں یہ بات واضح طور پر لکھی گئی ہے کہ یہ قانون ملک میں مساوات بنیادی حقوق۔ آزادی۔ سوشلزم۔ سیکولرزم۔ بھلائی۔ بلا امتیاز مذہب۔ رنگ نسل۔ فرقہ۔ ذات کے ہر ایک پر لاگو ہوگا۔ اگر ہمارا آئین نہ بنتا تو ہم ملک میں امن و امان سے زندگی نہیں گزار سکتے تھے۔ قانون کی نظر میں امیر غریب رنگ نسل ذات پات کوئی معنی نہیں رکھتے مجرم چاہے کوئی بھی ہو قانون سے بڑا نہیں ہو سکتا۔ کوئی بھی قانون کو ہاتھ میں نہیں لے سکتا آئین کے پیش نظر ہمارے (7) فری ڈم آف رائٹس کو کوئی بھی فرد ملک پا سکتا جو کہ حسب ذیل ہیں۔

1. Freedom of explaination, equality, Rights of freedom_ constitutional remidies _ Religious freedom_ Rights of Education_Right of Property

پراپرٹی کے حقوق کو 1976 میں آئین کے 42 ویں ترمیم (Amendment) سوخت کر دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ آئین کی روشنی میں جتنے بھی قانون بنتے ہیں ان سب کا مقصد عوامی فلاح و بہبود ہی ہوتا ہے قانون صحیح طور سے لاگو کیا جارہا ہے ۔ مجرموں کو سزا دی جارہی ہے یا نہیں ۔ حق داروں کو ان کا حق مل رہا ہے یا نہیں یہ الگ بات ہے لیکن قانون اپنی جگہ وکالت کرتا ہے ۔ ہر ایک مظلوم کی ہر ایک حقدار کی ۔ قانون کا شکنجہ بھی بہت ظالم ہے اوراس کے ہاتھ بھی بہت لانبے ہیں سوال ان کے استعمال کرنے کا ہے بہر حال چند اہم قانون جن کی ہمکو معلومات ہونے چاہئے وہ یہ ہیں ۔

1. Constitution of India - Criminal Code of Procedure Indian Evidence Act - Indian Panel Code - Labour Law / Company Law - Transfer of Property Act - Administrative Law - Traffic Law - Company Law / Hindu Law / Muslim Law / Law of Income Tax

آیئے اب سب سے پہلے ہم Constitution of India یعنی آئین کے بارے میں سرسری معلومات پر بات کرتے ہیں ۔ یہ آئین 26 جنوری 1956ء کو وجود میں آیا ۔ اس کے Main Architect ڈاکٹر بی ۔ آر امبیڈکر ہیں ۔ یہ آئین ۳۵۶ دفعات Articles) پر مبنی ہے ۔ جو ۲۲ پارٹس میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ ان میں جو اہم Parts ہیں وہ حسب ذیل ہیں ۔

The Union and its territory citizenship fundamental rights, directive principles of state policy, fundamental duties, parliament, the union Judiciary. بہت ہی اہم ہیں

سب سے پہلے آئین کا Preamble Fraternity Socialism, Secularism, Pattern, Democratic Justice, Liberty, Equality,

جو ہمیں مکمل آزادی اس ملک میں اپنے کو دیتا ہے Preamble اس طرح ہے

We the people of India having solemnly resolued to constitute India into a [Solvereign, Socialist, Secular, Democratic Republic] and to secure to all its citizens.

Justice, Social, Economic and Political

Liberty of thought expression beleif faith and worship.

Equality : of status and opportunity and to promote among them all.

Fraternity : Assuring the dignity of the individual and theunity and integrity of the nation in our constituency Assembly this. twenty sixth day of November 1949. Do hereby adopts enact and give to our selves this constitution.

اس Preamble میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ Preamble پورے Constitution کا آئینہ ہے ۔ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ہندوستان کو ہم خود مختار سوشلسٹ سیکولر Democratic جمہوریت برقرار رکھیں گے ۔ اور اس میں سب کے ساتھ سیاسی ۔ اختصاری Social Justice (سماجی انصاف) کیا جائے گا۔

لبرٹی یعنی آزادی کے تحت ہر ایک کورس کی اپنی ، فکر ۔ عقیدہ اور اپنے مذہب پر چلنے کی آزادی ہے اور اپنے دل کی بات کہنے کی بھی آزادی ہے Equality (مساوات Opportunity Status یعنی اپنا مقام اور موقع سے فائدہ حاصل کرنے کی آزادی ہے

Fraterinity (بھائی چارگی) آپسی بھائی چارگی اور قومی اتحاد پیدا کرنے کی بات بھی کہی گئی ہے ۔

یہ آئین ویسے تو پورے ملک میں رائج ، تمام قوانین پر حاوی ہوتا ہے اس کو بنیادی ڈھانچہ تصور کیا جاسکتا ہے ۔ ہر قانون کا ان سے مطابقت رکھنا ضروری ہے ۔ ہمارا کوئی بھی بنیادی حق تلف کرتا ہے تو ہم کو یہی آئین ہمارا حق دلاتا ہے اس میں جو سب سے اہم آئین

Articles 5 ۔ 11 اور Citizen Ship ہیں وہ ہماری ملکیت اور شہریت کے ہیں Article آئین کہتا ہے ۔ کہ ہر شخص جو اس ملک میں پیدا ہوگا یا پھر حکومت اس ملک کی شہریت دے گی ۔ وہ ہندوستان کا شہری کہلائے گا ۔

بنیادی حقوق (Art 12 to 35)

Fundamental Rights

Fundamental Rights میں یہ سات حقوق اہم ہیں ۔

Right to equity - Right to freedom - Right to Freedom of Religion - Cultural and educational right - Right to constitutional remedies & Freedom of expression and thoughts - Freedom of specch. وغیرہ ہیں ۔

Directive Principles of State Policy

ملک کے آئین نے حکومت پر بھی چند اہم ذمہ داریاں ڈالی ہیں وہ ہر شہری کے جان و مال اور عزت کی حفاظت کرسکے ۔ ہر شہری کو روزگار کے مواقع عطا کرکے ہر شہری کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھے ۔ وہ یہ بھی دیکھے کہ ہر شہری کو انصاف مل رہا ہے یا نہیں اقلیتوں اور نچلے طبقوں کو اوپر لانے کی کوشش کریں ۔ قدیم عمارات کی حفاظت کریں جو ہماری تاریخ کا ایک حصہ ہیں ملک میں امن اور خوشحالی اور بھائی چارگی کو فروغ دیں ملک کی عدلیہ کو خود مختار رہنے دیں ۔ اس کے معاملات میں دخل اندازی نہ کریں لیکن اس پر نظر رکھیں ۔ عالمی امن کو برقرار رکھیں اور ملک کی سرحدوں کی مکمل حفاظت کریں ۔

عورتوں کی خاص طور سے حفاظت کریں ایسے قانون بنائیں جس سے عورتوں کی مکمل حفاظت ہو ۔ انھیں ان کا جائز مقام Society میں ملیں Fundamental Duties

جہاں حکومت پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے شہریوں کا خیال رکھیں وہیں پر شہریوں پر کئی پابندیاں ہیں ۔ مثلاً ہم سب ملک کے عوام کے ، ملک کی ترقی کے لئے ذمہ جو جو بھی فرائض ہیں ان کو پورا کریں ۔

ہم بات کررہے ہیں قانون اور عوامی بھلائی کی کیا آپ نے محسوس نہیں کیا کہ ملک

کے اس آئین میں قانونی بھلائی ہی پوشیدہ ہے ۔ یہ تمام باتیں لکھی گئیں ہیں ۔ ملک کے آئین میں اس میں عوامی بھلائی کے علاوہ اور کیا ہے بتایئے ۔ اس طرح سے یہ بات ثابت ہوئی کہ قانون کا عوامی بھلائی سے ہی گہرا تعلق ہے ۔ قانون آپ کو آزادی دیتا ہے سلیقہ سے جینے کی باعزت زندگی گزارنے کی ہنسنے کی مسکرانے کی اور اپنے مذہب پر چلنے کی اور اپنے ملک اور قوم اور اپنے شہر اور اپنے گھر کے لوگوں کی حفاظت کرنے کی ملک میں اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کرنے کی اور بہت سی باتوں کی حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو انسان پیدا ہونے سے مرنے تک قانون کے ہاتھوں میں ایک معصوم اور شیر خوار بچہ کی طرح رہتا ہے اس کی زندگی کے ہر قدم پر قانون اس کی مدد کرنے آگے آتا ہے جس طرح ایک ماں اپنے بچہ کو تاحیات ہر ظلم و جبر سے بچاتی ہے اس طرح قانون بھی ہر مرحلہ پر مدد کرتا ہے تمام قوانین اسی مرکز کو مدع نظر رکھکر اس کو بنیاد بناکر بنائے گئے ہیں جو بھی قانون آئین کیخلاف جاتا ہے وہ خود بخود ختم ہوجاتا ہے اسکا مطلب یہ ہوا کہ آئین کے مخالف جو قانون ہوگا وہ عوامی مفاد کے مغائر ہوگا اور اس کو تلف کردیا جائے گا اس کو Ultra Virous کہتے ہیں ۔

اس بات سے ہمارے عنوان قانون اور عوامی بھلائی کو تقویت پہنچی ہے یہ باتیں عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قانون بنا ہی عوامی بھلائی کے لئے ہے ۔ اگر قانون نہیں ہوتا تو آپ ہم سونچ نہیں سکتے کے ہم سب کو کتنا خطرہ لاحق ہوتا ۔ سارا نظام قانون کے بغیر درہم برہم ہوجاتا ۔

ایئے آئین سے ہٹکر ہم دوسرے جو ہمارے روز مرہ کی زندگی میں کام آنے والے قوانین کا سرسری جائزہ لیں ۔

Code of Civil Procudeure یہ قانون ۲ جنوری ۱۹۰۹ء سے نافذ العمل ہوا ۔ اس میں جملہ ۵۱ آرڈر کے تحت ۱۵۸ سیکشن (دفعات) بنائے گئے ہیں ۔ یہ Code of Civil Procedure رہنمائی کرتا ہے کہ کس طرح حق دار کو اس کا حق ملے مثال کے طور پر آرڈر پانچ رول ایک میں (Osri Summon) سمن کی تعریف کی گئی ہے ۔ کس طرح سے سمن جاری کیا جائے سمن کی کیا اہمیت ہے سمن کے کیا معنی ہے ۔ یہ رول ایک سے تیس تک تفصیلی طور پر سنایا گیا ہے ۔ آرڈر نمبر 7 میں 1 سے 18 تک جو

رولس ہیں اس میں اس میں Plaint کے تعلق سے تفصیلی رہنمائی کی گئی ہے ۔ آرڈر نمبر 10 میں رول 1 سے 4 تک Examination of Parties by the Court کے تعلق سے تفصیلی طور پر معلومات بیان کی گئی جن میں پارٹی کا زبانی جراہ (Oral Exam) بھی شامل ہے ۔ آرڈر نمبر 15 رول ایک سے 4 تک یہ ۔ Disposal of the suit at the first Hearing کے بارے میں روشنی ڈالی گئی ہے ۔ آرڈر نمبر 20 میں رول ایک سے 20 تک (Decree) Judgements) فیصلہ اور ڈگری کے بارے میں تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے ۔ آرڈر نمبر 22 میں رول ایک سے 12 تک شادی بیاہ Irsolrency of Parties کے بارے میں تفصیلی روشنی ڈالی گئی بہر حال Code of Civil Procedure میں مکمل طور پر عدلیہ اور ان کے کام کرنے کے طریقوں جس کے اختیارات اور کس طرح سے قانونی لڑائی کی جائے بیان کیا گیا ہے ۔ ہمارا عنوان قانون اور عوامی بھلائی سے Code of Civil Procedure کتنی مطابقت رکھتا ہے اس کا ہر آرڈر ہر رول شہریوں کی بقاء اور بہبود ، مال و جائیداد کی حفاظت کرتا ہوا ملے گا ۔ اگر Code of Civil Procedure نہ ہوتا تو حقدار کو اسکا حق کچھ نہ ملتا جائیداد کے لئے خون و قتل دن دہاڑے ہوا کرتے ۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا محاورہ سرگرم عمل ہوجاتا یعنی طاقتور کسی کی بھی جائیداد پر قبضہ کرلیتا یا پھر بیچ میں اگر کوئی انصاف کرنے والا آتا بھی تو وہ شاید طاقتور کی ہی حمایت کرتا اور اس کے حق میں فیصلہ کرتا لیکن .C.P.C کی بدولت اب ایسا کرنا ناممکن ہے ۔ کوئی بھی عدالت سے اپنا حق قانون کے دائرے میں رہکر حاصل کرسکتا ہے ۔

اور منصف بھی قانون کے دائرے میں رہکر ہی انصاف کرسکتا ہے اب آپ ہی بتائیے ہمارا عنوان قانون اور عوامی بھلائی کو .C.P.C کے زاویے سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ تمام Civil law کے قانون اور عوامی بھلائی کے لئے ہیں ۔

The CRPC عنوان کے تحت سرسری جائزہ لیتے ہیں CRPC ۔ کا Criminal procedure code 1973 ۔ CRPC ۔1973 سے نافذ العمل ہوا ۔ ویسے تو انگریزوں کے زمانے سے ہی یہ قانون نافذ العمل ہے ۔ لیکن اس میں چند ترمیمات کئے گئے ہیں ۔ 12/ ڈسمبر 1973ء کو لوک سبھا میں 125 ترمیمات کے ساتھ ایک

بل پاس کردی گئی ۔ اس طرح یہ قانون عملاً میں نافذ العمل ہوا ۔ اس میں جو چند اہم دفعات ہے ۔ 27 سے 35 تک عدالتوں کے اختیارات اور 36sec سے 40sec تک میں پولیس 40 Sec .60 تک کسی بھی گرفتاری کے تعلق سے روشنی ڈالی گئی ہے ۔

Sec124 ۔106 تک maintenance of good Behaviour یعنی عمدہ برتاؤ اور امن قائم رکھنے پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ جہاں تک CRPC کا سوال ہے یہ وہ بنیادی کورڈ ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح جج کام کریں کس طرح عدلیہ کام کریں کس طرح مقدار کو حق دلایا جائے کس طرح مظلوم کی مدد کی جائے ۔ ہم شہریوں کے ملک کے طرف کیا ذمہ داریاں ہیں بتایا گیا ہے ۔ ہمارا عنوان قانون اور عوامی بھلائی اس بات کا مظہر ہے اگر اس کو CRPC کے زاویے سے دیکھا جائے تو یہ اور بھی اجاگر ہوتا ہے ۔ اور یہ ثابت کرتا ہے کہ تمام قوانین عوام کی بھلائی کے لئے ہی بنائے گئے ہیں ۔ آیئے اب ہم ایک اور اہم قانون Indian Evidence Act کا سرسری جائزہ لیں ۔

Indian Evidence Act ہے یہ Act1872 میں وجود میں آیا اسکے اندر جملہ 11 Chapters ہیں اور 167sections ہیں ۔

یہ پہلے سے نافذ العمل تھا اس میں کچھ Modifications کر کے 1985 ، میں اس Act کے نام سے نافذ کیا گیا ۔ اور آخر میں 1872 میں یہ موجودہ Act عمل میں آیا جسمیں آئے دن کچھ نہ کچھ Modification ہوتے ہیں اپنے ہیں اسکا Act کو رائج کرنے کا بنیادی مقصد گواہوں کا ایک منظم نظام جس پر عدالت کے بارے میں فیصلہ منحصر ہوتے ہیں ۔ اس Act کو رائج ہونے کے بعد عدالتوں میں فیصلے بہتر طریقے سے ہونے لگے ۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ عدالت کے تمام فیصلے گواہوں پر یا ثبوت پر پیش کرنے پر Documentry Evidence پر ہوتے ہیں ۔ اگر یہ Act نہیں ہوتا تو بہت سی مشکلوں کا سامانا کرنا پڑتا اس Act میں یہ واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ گواہ کیسا ہونا چاہئے ۔ گواہی کس کے سامنے دینی چاہئے ۔ کن کن اصحاب کو گواہی لینے کا اختیار ہے اور ججس کو گواہوں کو جانچنے کا کیا معیار ہونا چاہئے ۔ ان تمام امور پر 167 سے زائد sections بنائے گئے ہیں ۔ اس سے یہ بات واضح طور پر کھل کر سامنے آتی ہے کہ قانون جو بنایا گیا ہے وہ عوامی بھلائی کیلئے ہی بنایا گیا ہے Indian Penal Code آیئے ہم اب Indian

Indian penalcode ۔ penal code کے بارے میں بات کرتے ہیں ۔
1860 میں وجود میں آیا اور اسکے اندر 23 Chapters کے تحت 511Sections
ہیں ۔ ان تمام sections کے تحت یہ بتایا گیا ہے کہ جرم کیا ہے جرم کس کو کہتے ہیں ۔ ؟
کونسے جرم کی کیا سزاء ہوتے ہے ۔ کونسے جج کو کیا سزا دینے کا حق ہے پر تفصیل سے روشنی
ڈالی گئی ہے ۔ اس میں موجود سب سے مشہور Sections ہیں جو اکثر و بیشتر ہم سنتے آئے
ہیں ۔

وہ یہ ہیں

Offences Affecting the Human Body
Sec 299 Culpable Homicide
Sec 300 Murder
Sec 301 Murder other than Intended Person
Sec 302 Punishment for Murder
Sec 303 Punishment for murder by life Convict

Indian Penal Code کا بنیادی مقصد عوامی بھلائی ہے ۔

اس کے نافذ ہونے کے بعد سے ظلم و بربریت ڈاکہ ، چوری ، خون و قتل گیری کے
واقعات کم رونما ہو رہے ہیں ملک میں لاء ۔ اینڈ ۔ آرڈر کی حالت بہتر ہو رہی ہے ۔ اگر یہ
I.P.C نہیں رہتا تو عدالتوں کے فیصلے معلق رہتے اور کسی کو جرم کی سزا برابر نہ ملنے پر
وہ اور جرم کرتا معاشرے میں اس طرح بدامنی پھیل جاتی اور سارا سماجی نظام درہم برہم
ہوجاتا قانون کے اس عظیم کارنامے کو ساری انسانیت قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے ۔

Labour law and Company Law

۔ آیئے اب ہم Company Law / Labour Law کے بارے
میں پڑھیں گے LabourLaw/CompanyLaw کا وجود اس لئے آیا کہ
company کے مالکین اور labour میں آئے دن اختلافات پیدا ہوجانے کی وجہ سے
ہڑتالیں (Strikes) اور بند منائے جانے لگے تھے ۔ جس کی وجہ سے Production

پر بہت برا اثر پڑھ رہا تھا۔ کوئی منظم منصوبہ بند قانون کی جو دونوں کے مفاد میں ہوں اور انصاف کرے اور جس سے اختلافات اور غلط فہمیاں دور ہوں سخت ضرورت تھی۔

(Indian Companies - Indian Company Law with Act 1956)

میں وجود میں آیا۔ اس میں Company کے مالکین پر چند پابندیاں عائد کی گئیں ہیں۔ Companies کے لئے مختلف شرائط عائد کئے گئے ہیں۔ ورنہ اگر یہ قانون نہ ہوتا تو جو آج ہم کو companies اتنے اچھے پیمانے پر قایم کی گئیں ہیں نہیں نظر آتیں ہر کوئی ہر جگہ کو Company قائم کرلیتا۔

Labour Laws بھی جیسے جیسے ضرورت پڑتی گئی ویسے ویسے وجود میں آتے گئے ان میں سے چند اہم Laws یہ ہیں۔

The Factory Act 1948
Indian Dispute Act - 1947
Trade Union Act - 1936
Employers State Insurance Act - 1948
Payment of Wages Act - 1923
Industrial Employment Act - 1948
Payment of Bonus Act
Employment Provident Fund and Miscellanneous Act

وجود میں آئے۔ لیبرس اور کمپنی ہمارے سماج اور معاشرے کا ایک اہم حصہ ہے۔ ہمارے تقریبا روزمرہ کی ضروریات کے ساز و سامان کارخانوں میں بنتے ہیں۔ اگر یہ قانون نہ ہوتا تو آج ملک کی معاشی ترقی بیحد ابتر ہوئی اور سارا سماجی نظام درہم برہم ہوجاتا۔ غربت اور افلاس ہم سب کو جھنجھوڑ ڈالتے ہیں۔ اب آپ ہی بتائے کیا قانون کے پس پردہ عوامی بھلائی ہی ہے، کیا یہ عوامی بھلائی نہیں ہے۔ ہمارا عنوان قانون اور عوامی بھلائی کو Company Law / Labour Law سے بھی تقویت ملتی ہے۔

Transfer of Property Act

اب ہم Transfer Propertyof Act کے بارے میں بات کرتے ہیں۔

ٹرانسفر آف پراپرٹی Act 1882 میں وجود میں آیا اس میں کئی Chapters ہیں۔ اور ان Chapters کے تحت 137 سکشن ہیں۔ یکم جولائی 1882ء سے نافذ العمل ہے۔ اس Act میں وہ تمام طریقہ کار بتائے گے ہیں جہاں انکو قانون کی شکل دی گئی ہے جسکے تحت کوئی بھی شخص اپنی پراپرٹی کو دوسروں کے نام منتقل کر سکتا ہے۔ اس قانون کے نافذ کرنے کا عین مقصد یہ تھا کہ جائیداد کی منتقلی کو ایک قانونی شکل دی جائے اور جائیداد منتقل کرنے والا اور جائیداد منتقل کرانے والا یعنی خرید اور فروخت کرنے والے کے درمیان باہمی سمجھوتہ قانون کے دائرہ میں رہ کر کیا جائے تاکہ کوئی اختلافات نہ پیدا ہوں۔ اس قانون کے نافذ ہونے سے پہلے اکثر و بیشتر یہ دیکھا گیا ہیکہ جائیداد کی منتقلی میں کئی ایک اختلافات پیدا ہو کر بات قتل و خون تک پہنچ چکی تھی۔

قانون عوامی بھلائی کیلئے ہی بنایا گیا ہے ٹرانسفر آف پراپرٹی قانون بھی عوامی بھلائی کیلئے ہی بنایا گیا ہے اسکے تمام 137 سکشن مختلف قسم کی جائیدادوں کو مختلف طریقوں سے مختلف دفعات کے تحت منتقل کرتے ہیں۔ اس طرح یہ قانون بھی عوام کی بھلائی میں لگا ہوا ہے۔

اس قانون میں (Sale) کس طرح کیا جاتا ہے۔ اور Sale کیا ہوتا ہے۔ Saleof Contract کیا ہونا چاہئے اس طرح سے Sale کی ترجمانی کی گئی ہے (Rights and liblites of buyer and Seller) اور (Marshalling by subsequent Purchaser) کے بارے میں تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

آیئے اب ہم HinduLaw کے بارے میں سرسری معلومات حاصل کریں گے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ ہندوستان میں 80% فیصد سے زیادہ اکثریتی طبقہ جس میں ہندو زیادہ ہوں۔ ویسے تو اس کے مذہبی کتابوں میں بہت سے قانون مل جاتے ہیں لیکن پھر بھی بعض قوانین کو لاگو کرنا پڑا۔ جس کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔

ہندو لا:۔ اس میں بعض قدیم Laws کو تلف کر دیا گیا ہے۔ جیسے ستی کی رسم کو HinduLaw میں حسب ذیل باتوں پر الگ الگ Act بنائے گئے ہیں۔ جیسے شادی

مشترکہ خاندان Joint Family Adoption، قرض ،لین دین ،سرپرستی چھوٹے بچوں کی Maintenance پارٹیشن ، وراثت عدالتوں کے حقوق تحفہ اور وصیت اوقاف اور متفرق باتوں پر قانون نافذ کیا گیا ہے۔

جس سے ہندو طبقہ میں جو نا انصافیاں ہوتی تھیں اور خاص طور سے عورتوں کو جو جائیداد سے محروم کیا جاتا تھا مذہب کی آڑ میں وہ ایک طرح مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے۔

پرانے زمانے میں وراثت میں یعنی باپ کی جائیداد میں بیٹی کا بیوی کا کوئی حق نہیں ہوتا تھا جبکہ مسلم لاء میں عورتوں کو بھی وراثت میں حقدار بنایا گیا ہے۔

Inharitance and Succession Act نافذ کیا گیا ہے جس کے تحت ہر ہندو عورت کو اس کے والد کی جائیداد میں حصہ ملتا ہے۔

عورتوں کی جو ستی کی رسم تھی وہ ختم ہو چکی ہے۔ اور دیو داسی کا بھی جو چلن تھا اس کو بھی ختم کر دیا گیا۔

اس طرح HinduLaw اور خاص طور سے ہندو لوگوں کے لئے کافی مدد گار ثابت ہوا اس طرح ہمارا جو عنوان ہے " قانون اور عوامی بھلائی ۔ اس کو کافی تقویت ۔ ہندو لاء سے بھی ملتی ہے۔

آیئے اب ہم (law) Mohammedan Law کی طرف بڑھیں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں مسلمانوں کا ایک مسلم پرنسپل (law) پہلے ہی سے نافذ ہے اور سارے عالم کہ مسلمان ۔ قرآن ۔ کو اپنا Code مان کر اس میں بتائے گئے قانون پر چلتے ہیں۔ پھر بھی قرآن کی روشنی Mohammedan لاء (law) بھی بنایا گیا ہے۔

قرآن ، حدیث اور اجماع اور قیاس پر مبنی ہے Mohammedan لاء میں مختلف باتوں کو Chapters16 میں تقسیم کیا گیا ہے جو کہ حسب ذیل ہیں۔

Applicatior of Mohammedan Law
. Succession and Administration
. Maintenance . Maternoity Grandianship
Inheritence Miscelloneous

ان تمام قوانین ان تمام طبقوں پر جیسے سنی ۔ شیا ۔ سنی میں ، حنفی ، مالکی شافعی ، حنبلی سے ہٹکر امامیاس ، اسمائیلی ، ذوردیاقی ، خوجہ بھرے اکبری ، اصولی پر لاگو ہوتے ہیں۔ اس Act

سے عدالتوں کو رہنمائی ملتی ہے ان رہنمایانہ خطوط پر چلکر عدالتیں اپنا فیصلہ سناتی ہیں جس سے مسلمانوں کے آپس کے بہت مسائل حل ہوتے ہیں۔ خاص طور پر سے جائیداد کے جھگڑے اور وراثت کے جھگڑے، طلاق اور بعد طلاق کے (Maintenance) کے جھگڑے سے بھی عدالتوں میں ان ہی قوانین کی رہنمائی میں حل ہوتیہیں Mohammedan Law کے تعلق سے بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے وقت کی کمی کے باعث اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ Supreme Court کے چند حالیہ فیصلوں سے Mohammeden Law کو جھنجوڑ کر رکھ دیا جس میں شاہ بانو کا Case طلاق اور اس کے بعد Maintenance کو ایک نیا موڑ دیا ہے۔ آئے دن Mohammeden Law پر ملک کے اکثریتی طبقے اعتراض کر رہے ہیں اور وہ ایک یکساں Civil Code کا مطالبہ بھی کررہے ہیں۔ جس سے ملک میں موجود مسلمانوں کی دل آزاری ہورہی ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ قیامت تک سوائے قرآن کے اور کوئی قانون بھی ہم پر تا قیامت لاگو نہیں ہوسکتا۔ بہر حال دیکھتے ہیں وقت کیا کیا گل کھلاتا ہے۔ ہم کو اس بحث میں نہیں پڑھتا ہے۔ ہمارا جو عنوان ہے " قانون اور عوامی بھلائی " اس کے پیش نظر ہی ہم کو بات کرنا ہے۔ یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ہمارا عنوان " قانون اور عوامی بھلائی " کی روشنی میں اگر ہم (Mohammeden law) کو دیکھیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ قانون بھی عوامی بھلائی کیلئے ہی منایا گیا ہے۔

Administrative Law

آئیے اب ہم Administrative Law کے بارے میں بات کریں گے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ زمانے قدیم سے ہی حکومت کا نظام چلانے کے لئے جو body کام کرتی ہے اسے Administrative Body کہتے ہیں۔ اور جو قوانین اس حکومت کو کام کرنے کے لئے مروج ہوتے ہیں اس کو Administrative Law کہتے ہیں۔ پرانے بادشاہوں کے زمانے میں بھی (Administrative Bodies) ہوا کرتے تھے۔ لیکن ہمیشہ اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ قانون بادشاہ کا بادشاہ (Law is king of the Kings) ہوتا ہے۔

آج ہماری حکومت بھی Administrative Law کو اپناتی ہے

Secretary of A.P. Chief سے لیکر ایک معمولی چپراسی پر بھی Administrative Law نافذ ہوتا ہے۔ اسکا عین مقصد یہ ہے کہ حکومت کے عہدیدار اپنے اختیارات سے زیادہ کوئی کام نہ کریں۔ ناجائز کسی شہری کو نہ ستائیں اور ملک میں امن و امان قانون کے دائرے میں رہکر قائم رکھیں۔ قانون اور عوامی بھلائی کے زاویہ سے اگر Ad.law کو دیکھیں تو اس میں آپ کو سوائے عوامی بھلائی کے کچھ نظر نہیں آئے گا Ad.law ملک میں 6 ملک کے آئین کو نافذ کرتے ہیں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ جس سے ملک میں بدامنی دور ہوکر امن و امان قائم ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک میں Administration فیل ہوتا ہے یا کمزور پڑجاتا ہے تو حکومت کو اور ملک کو خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ ملک میں بدامنی اور خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ ملک میں Administration کا President Head of India رہتا ہے تو عوامی حکومت کے ناکام ہونے پر PresidentLaw قائم کرتا ہے اور ملک میں بدامنی کو روک کر امن و سکون قائم کرتا ہے۔

Incometax law of Incometax کا سال April سے شروع ہوکر March31 تک ختم ہوتا ہے Incometax سے مراد کوئی بھی شخص حکومت کے مقرر کردہ حد سے تجاویز رقم کو کماتا ہے تو اس پر Incometax لاگو ہوتا ہے۔ آئے دن Incometax کی حد بڑھتی جاری ہے۔ حالیہ حد سالانہ تقریبا پچاس ہزار رکھی گئی ہے Incometax کے 29Chapters ہیں جس میں Section526 مختلف امور پر بنائے گئے ہیں Incometax کے نافذ کرنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ثقافتی مساوات قائم ہو ورنہ دولت مند مزید دولت مند ہوتے جائیں گے اور غریب اور غریب ہوتے جائیں گے۔

Acumulation of Wealth بھی زمانے میں نقصان وہ ہی ہے کسی بھی ایک شخص کے پاس دولت اکھٹا ہوجانے سے وہ حاکم وقت بن جانے کی کوشش کرتا ہے اور سماج اور معاشرے کے لئے خطرہ بن جاتا ہے قانونی اور عوامی بھلائی کے پیش نظر جو ہمارا عنوان ہے۔

Incometax کا قانون بنایا گیا ہے تاکہ سماج اور عوام اس سے استفادہ کرسکے۔ اس سے ہٹ کر یعنی مجموعی Property آپ کی کتنی ہے اور Gift Tax بھی نافذ کیا گیا ہے۔ تاکہ عوام میں اور بہتر طریقہ سے اقتصادی حالات ہمارے ملک میں برقرار ہیں۔ اس سے

ہٹکر اور بہت سے Act پر بات کرنی ہے۔

انشاء اللہ پھر کبھی "قانون اور عوامی بھلائی" کے عنوان پر دوسری قسط میں اور چند اہم قوانین (Acts) پر مختصراً ہی روشن ڈالنے کی کوشش کرونگا جیسا کہ میں نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ قانون میری نظر میں انسان کے وجود میں آنے سے پہلے یعنی مادر شکم میں جب وہ رہتا ہے اس کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے پیدا ہونے کے بعد بھی اس کے قبر میں جانے تک بھی اس کی حفاظت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی کسی کی قبر کی بے حرمتی نہیں کرسکتا۔ کوئی کسی کی لاش کے ساتھ غیر انسانی سلوک نہیں کرسکتا اس کے اعضاء کو اس کے مرنے کے بعد اس سے الگ نہیں کرسکتا۔ جب تک کے اس نے وصیت نہ کی ہو اس سے ہٹکر جس طرح یہ محاورہ ہے God is Every Where میں ایک قانونی محاورہ آپکی خدمت میں پیش کررہا ہوں۔ Law is Everywhere چاہے وہ فلک ہو یا زمین، سمندر ہو یا جنگل۔ شہر ہو یا قصبہ گاؤں ہو یا عبادت گاہ، تفریح گاہ، یا تعلیم گاہ، مسجد ہو یا مندر، چرچ ہو یا عید گاہ، بچے ہو یا بوڑھے مرد ہو یا عورت، اندھے ہو یا اپاہج بہر حال ہمارا سانس لینا، سانس چھوڑنا، چلنا، پھرنا، بات کرنا، دوسروں کے ساتھ ملنا، ملانا، خود کی خوشی کا اظہار کرنا، منانا اور خود کے غم کو منانا۔ عورتوں کا احترام کرنا۔ آتش بازی کرنا جیسے جلوس نکالنا، کھیل کود، پڑھائی لکھائی، شادی بیاہ، طلاق آپسی معاہدے سے طلباء مدارس۔ کالج میں داخلہ، سیاستدانوں، دانشوروں، تعلیم دانوں، قانون دانوں حکومت، پولیس عوام۔ بتایئے کون ہے جو قانون سے مبرہ ہے قانون کہاں نہیں۔ میرا یہ مضمون یہ آپ تک پہنچنا صحافت کے ذریعہ بھی Law of Journalisim کے تحت آتا ہے۔

المختصراً میں یہی کہوں گا کہ قانو ہر جگہ ہے۔ ہر کس و ناکس پر نافذ ہے۔ مادر شکم سے لیکر قبر تک قانون کے ہاتھوں میں محفوظ رہکر گزارنا ہے۔ اس طرح میرا محاورہ Law is Everywhere صد فیصد صحیح ثابت ہوگا۔

قانون سے بالاتر کوئی نہیں ہے۔ قانون کی نظر میں شاہ و گدا ایک ہی نظر رکھتے ہیں قانون جذبات سے مبرا ہے یہ کسی کا رشتہ دار نہیں ہے۔ قانون کے بارے میں لوگ یہ کہتے ہیں ہ قانون اندھا ہوتا ہے۔ لیکن قانون حساس ہوتا ہے۔ ایک آئینہ کی طرح ہوتا ہے اس کے سامنے جو بھی چیز پیش کی جاتی ہے۔ اس پر اس کو یقین کرنا پڑھتا ہے۔ قانون ہر جگہ پر رہتا ہے دیکھ بھی سکتا ہے۔ لیکن اس کی نظر ہماری نظر سے مختلف ہوتی ہے کبھی نہ کبھی جھوٹ

بولکر بچ جانے والا بھی اس کی زد میں آجاتا ہے ۔ اس کی آنکھ سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

جو چپ رہے گی زبان خنجر
لہو پکارے گا آستین کا

لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ قانون سے بھاگ سکتے ہیں یہ ان کی نادانی ہے قانون کے ہاتھ بہت لانبے ہوتے ہیں۔ وہ ان کی دسترس سے کبھی نہیں بچ سکتے یہ اور بات ہے کہ قانون ہوتے ہوئے بھی ہم اس سے مستفید نہیں ہورہے ہیں۔ مجرم کو سزاء نہیں مل رہی ہے۔ مظلوم کو اس کا حق نہیں مل رہا ہے۔ لیکن اس میں قانون کا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ آپ کی ہماری کمزوری ہے عدالتوں پر سے اعتبار اٹھ چکا ہے۔ لیکن یہ بات آپ لکھ لیجئے کہ میں قانون کے ادنی طالب علم کے حیثیت سے عرض کررہا ہوں کہ قانون وکالت حق دلانا چاہتا ہے۔ قانون کہتا ہے کہ میرا صحیح استعمال کرو تاکہ اس معاشرے میں امن و امان قائم رہ سکے۔ مظلوم کو ظلم سے بچایا جائے۔ حقدار کو اس کا حق دلایا جائے تاکہ بے گناہ کو پھانسی سے بچایا جائے۔ جیلوں میں بھرے ہوئے معصوم قیدیوں کو جو جھوٹے مقدمات میں پھنس کر سزا کاٹ رہے ہیں۔ ان کو رہا کرایا جائے عورتوں کی بچوں کی حفاظت کی جائے۔ جان و مال۔ عزت عصمت سماج سے شرپسند عناصر، فرقہ پرست عناصر مذہب قوم ملت اور ملک ک یلئے خطرہ بننے والے عناصر کا صفایا قانون کی مدد لیکر کرنا ہوگا۔ قانون جتنا سخت ہوگا اتنا ہی معاشرے میں جرم کا ارتکاب بھی کم ہوگا اس میں سب سے اچھی مثال جو میں یہاں دے سکتا ہوں وہ اسلامی قانون کی ہے جو آج بھی بعض اسلامی ممالک جیسے سعودی عربیہ کی حکومت میں نافذ جہاں پر اسلامی نقطہ نظر سے عدل و انصاف کیا جاتا ہے اور مجرموں کو سخت ترین سزائیں دی جاتی ہیں۔ اس اسلامی قانون کی وکالت کرتے ہوئے میں چاہوں گا کہ سارے عالم امن و امان کو برقرار رکھنا ہے لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کرنا ہے عزت عصمت کی حفاظت کرنا ہے تو اسلامی قانون کو نافذ کیا جائے۔